ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:108 ماہ دسمبر 2021ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

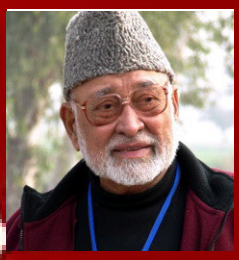

محترم قارئین کو قندیل ادب لندن کی نویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلسِ ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعٰیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔'' قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ '' کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

قندیل کے نو سال	اداریہ	4
غزلیات: ڈاکٹر اشرف کمال، عاصی صحرائی، ڈاکٹر ظفر جاذب، منیر باجوہ، نجمہ محبوب نجمہ، ندیم ملک، طاہر احمد فن لینڈ، ڈاکٹر ممتاز منور پونے، افتخار راغب دوحہ، اشفاق چترانوی، شہزاد تابش، فیض احمد فیض، ڈاکٹر طارق احمد باجوہ، طفیل عامر، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، اطہر حفیظ فراز، بسم اللہ کلیم، ساغر صدیقی، ایس ایم تقی حسین، مبشرہ ناز، جبیں نازاں، جون ایلیا، رئیس اعظم حیدری، سعید ہاشمی، عبدالجلیل عباد، ڈاکٹر اشرف کمال، شیریں گل صاحبہ، شہزادہ قمرالدین مبشر، سیدہ منور کوثر، قریشی داؤد احمد ساجد۔		5 تا 14
والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم...	امجد مرزا امجد	15
اخلاق عالیہ کی تعلیم اور حسن سلوک	مبشر شہزاد، گلاسگو	17
عبدالکریم قدسی، فن وقدر کا ایک عظیم مقبول شاعر	مبشر شہزاد، گلاسگو	18
غلط فیصلے کا ہونا	میاں فہیم احمد لندن	24
ٹی ایل پی کا پہلا تحفہ	ابن لطیف	28
اس ملک کو فوج چلا رہی ہے یا عدلیہ	میاں فہیم احمد لندن	29
پرندوں کی زندگی میں انسان کیلئے 6 اسباق	رجل خوشاب	30
جناب آفتاب شاہ صاحب کو خراجِ تحسین	ڈاکٹر مقصود جعفری	31
کینیڈا بچپن میں یہ قوالی سنتے تھے	قاسم عبّاس۔میسی سگا	33
تم مسلمان ہو کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں ہنود	قاسم عبّاس، میسی ساگا۔کینیڈا	34
غربت کے پہاڑ اور معاشرہ	ادارہ	34
میں منظور موچی کا بیٹا (افسانہ)	مبشرہ ناز	38
دُنیا کے مشہور ملحدین نے مرتے وقت کیا کہا	مبشر شہزاد، گلاسگو	39
مسکراہٹیں بکھیرنے والے	ممتاز ملک صاحبہ فرانس	41
انمول رتیاں (افسانہ)	مبشرہ ناز	42
ہمیں روز اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے	رجل خوشاب	46
تحفظ بنیاد اسلام بل کا حاصل۔چند اہم سوالات	آصف محمود	48
حکومت ٹی ایل پی معاہدہ ایک	سلیم ملک	51
چوہدری پرویز الٰہی اور جنت کے ٹکٹ	محمد حنیف	52
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی قومی وملی خدمات	رانا عبدالرزاق خاں	53
کیا مرتد ہونا ممکن ہے	حاشر ابن ارشاد	57
گیارہ اگست کی تقریر کا آسیب اور مظلوم اوریا	ابونائل	60

اعلان۔ ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK, A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637 (R) 02086482560

اداریہ

قندیل ادب کے 9 سال مبارک ہوں

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم ہی ہے کہ ہم قندیل ادب کے نو سال پورے ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ ورنہ کس انسان کو پتہ ہے کہ اس نے کب اس دیارِ فانی سے کوچ کر جانا ہے۔ جانا تو ہم سب نے ہی ہے مگر کیا ہی اچھا ہو ہم سب اپنے اپنے حصے کی کوئی نہ کوئی قندیل روشن کرتے جائیں ۔خاکسار تو ایک عاجز انسان ہے۔ مجھے تو اس کام کے لئے میرے محسنوں نے حوصلہ افزائی سے نوازا اور میں چل پڑا۔

جن میں مولانا بشیر احمد رفیق صاحب اور آدم چغتائی صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ اب ایسے ہی سب محسنوں کی دعاؤں سے یہ کاروانِ ادب رواں دواں ہے۔ اور اس قافلے کے ہم سفر میرا ہاتھ بھی بٹا رہے ہیں ۔قندیل ادب کے یہ نو سال جو دسمبر ۲۰۲۱ میں پورے ہو رہے ہیں ۔اس عرصے میں میرے رفقاء نے اردو ادب کی روشنی اس قدر اسقدر بکھیری ہے کہ اب اس کی کرنیں دو صد سے زائد ممالک تک پہنچ چکی ہیں ۔ہم نے پانچ ہزار سے زائد ادیبوں اور شعراء، افسانہ نگار، کے تراشوں کو بلا تمیز مذہب و ملت شائع کرنے کی توفیق پائی ہے۔ ہر کسی کے غیر متنازعہ رشحات قلم کو پیش کرنے کی جسارت کی ہے ۔اس دورِ کرونہ میں بھی ہم مسلسل میگزین نکالتے رہے۔ اور اب تک ۱۰۸ میگزین نکالنے میں کامیاب رہے۔ الحمدللہ۔

ہمارے خلاف جھوٹے الزامات اور پراپیگنڈے بھی کئے گئے جو کہ بے سود ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر حال میں اپنے فضل سے نوازا۔ اور ہم نے اردو ادب کے دامن کو ہر محب اردو تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی۔ ہر فکر کے لوگ اس کی اس ترقی میں شامل ہیں۔ ہر ملک کے لوگ اس کے مدد اور معاون ہیں۔ ہر رنگ و نسل کے لوگ اسے پڑھتے ہیں۔ یہ رسالہ لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں تک بذریعہ ای میل، وٹس ایپ، اور دیگر ذرائع سے رسائی پاتا ہے۔ اور کافی تعداد میں شائع کر کے پہنچایا جاتا ہے احباب کے خطوط ای میلز، اور دیگر ذرائع تک پیغامات ہم تک پہنچتے ہیں۔ اور ہمیں ان ذرائع سے میگزین میں بہتری لانے میں بہت مدد ملتی ہے۔ الحمدللہ۔

آخر میں سب دوستوں سے دعا کی درخواست ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب مرحوم دوستوں کو غریق رحمت کرے۔ جو کرونہ کے اس عرصہ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں اور باقیوں کو صحت سلامتی سے نوازے۔ اور ہم سب کو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق دے۔

خاکسار پیارے قارئین سے درخواست گزار ہے کہ اپنی نسلوں کو اردو سکھانے کے لئے اس میگزین کو اپنے ہر دوست کو بذریعہ سوشل میڈیا ارسال کریں۔ اور خود بھی کچھ نہ لکھ کر اس کی اشاعت کو بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ خاکسار رانا عبدالرزاق خان مدیر اعلیٰ قندیل ادب لندن۔

(مدیر)

ڈاکٹر اشرف کمال

شہر والوں کی نگاہوں کی رسائی ہے یہاں
اپنی آنکھوں میں تیرے خواب کہاں رکھوں گا
میرے گھر میں تو کہیں طاق بھی موجود نہیں
میں چمکتا ہوا ماہتاب کہاں رکھوں گا

کوزہ گر چاک پہ رکھے یا اُتارے مجھ کو
یہ ترا کام ہے کیسے بھی سنوارے مجھ کو

غم کی شدت میں جو ہنستا ہوں غضب لگتا ہوں
دیکھنے آتے ہیں سب درد کے مارے مجھ کو

صورت حال کا اب صرف تقاضا ہے یہی
وہ میرے ساتھ رہے اور نکھارے مجھ کو

میں تو اِس پر ہی ہوں خوش کارِ محبت میں اگر
فائدے اس کو ملے اور خسارے مجھ کو

میں بھی روشن ہوں اسی چاند سے چہرے سے کمالؔ
دیکھتے ہیں بڑی حسرت سے ستارے مجھ کو

غزلیات

نعتیہ اشعار
عاصی صحرائی

دیکھتا ہے چرخ حُسنِ انتخاب
اِنتہائے حُسن حُسنِ آں جناب
اس قدر پاکیزگی اور آب و تاب
آپ کے جلوۂ نظر کا احتساب
جب بھی لکھی جائے گی تاریخِ حُسن
تمّت و آغاز ہوں گے آں جناب
فرشِ ارضی پر ،مثال اپنی ہیں آپ
حُسنِ آئینہ شکنِ ہے لاجواب
آپ کے روضے پر ٹھہرے کیوں نظر
جانِ حُسن حُسن و ِجاں اندر حَجاب
ہیچ لگتے ہیں نشاور کے لئے
دِرہم و دینار و ماہ و آفتاب
ہے جلالی فطرتِ معصومیت
وعظ و حرکت میں ہے دست حساب

ڈاکٹر ظفر جاذب

میرے پروردگار میرا ہو
اس پہ بس اختیار میرا ہو
سارے خوش بخت ایک صف میں ہوں
اور ان میں شمار میرا ہو
کس تکلف سے لوگ ملتے ہیں
ایک تو ان میں یار میرا ہو
کسی باعث وہاں نہ جا پاؤں
ذکر واں بار بار میرا ہو
آج جانے کیوں دل نے چاہا ہے
کوئی تو غمگسار میرا ہو
جس کے سائے میں لوگ آ بیٹھیں
شجر وہ سایہ دار میرا ہو
اس پہ جاذب مجھے بھروسہ ہو
اور اسے اعتبار میرا ہو
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
”دلبری دلبری ہوگئی“

منیر باجوہ

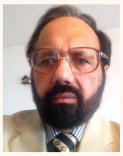

باب رحمت کھلا بندگی ہو گئی
تپتے صحرا میں جیسے نمی ہو گئی
رحمتوں کی گھٹائیں برسنے لگیں
فصلِ ویران پھر سے ہری ہو گئی
آپ آئے تو دنیا منور ہوئی
جگ میں چاروں طرف دلکشی ہو گئی
ظلمت و جور ہونے لگے الوداع
دلبری دلبری دلبری ہوگئی
سب اندھیرے جہاں سے سمٹنے لگے
چاند چمکا تو پھر چاندنی ہو گئی
چار سُو تھی سیاہ رات چھائی ہوئی
”مصطفیٰ آگئے روشنی ہوگئی“
یہ مدح ہو تجھ کو مبارک منیرؔ
جس سے پیاری تیری شاعری ہوگئی

نجمہ محبوب نجمہ

ایک مدت سے یہ ارمان ہے آئے کوئی
دل مرا خانۂ ویران ہے آئے کوئی
دل ہے تصویرِ عزا خانۂ وحشت جیسے
روح بھی سوختہ سامان ہے آئے کوئی
در ودیوار پہ طاری ہے سکوتِ پیہم
دل میں پوشیدہ سا طوفان ہے آئے کوئی
آج دل کو بھی ہے تنہائی کا احساس بہت
آج بارش کا بھی امکان ہے آئے کوئی
صفِ عشاق سے للکار کے کہنا اُن کا
در پہ بیٹھا ہوا دربان ہے آئے کوئی
آنے والے کو سنبھالا نہیں جاتا اکثر
یہ تو کہنا بہت آسان ہے آئے کوئی
ہوں مصائب کہ ہوں آلام کے طوفاں نجمہ
میرا اللہ نگہبان ہے آئے کوئی

ندیم ملک

اپنا تو بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں رہی
ان کو بھی دل لگانے سے فرصت نہیں رہی
ایسا نہیں کہ اس نے مجھے دیکھ ہی لیا
ایسا نہیں کہ اس کو محبت نہیں رہی
دل کے مکان سے مجھے آواز آئی ہے
آنگن میں اس کے پہلی سے وسعت نہیں رہی
اچھا ہوا کہ تم نے مجھے دیکھ ہی لیا

اچھا ہوا تم کو بھی نفرت نہیں رہی
بگڑے ہوئے سماج میں، میں لاپتہ ہوا
جس وقت میرے ہاتھ میں چاہت نہیں رہی

طاہر احمد، فن لینڈ

اس محبت کے صدقے کسی نے اُتارے نہیں لگتے
شکستہ حال سفینے یوں ہی کِنارے نہیں لگتے
کترا کے گزرتے ہو مجھ سیجو کبھی یُوں
کچھ غیر سے لگتے ہو ہمارے نہیں لگتے
یہ مُنصف بھی تیری محبت کا لگتا ہے وکیل
اقرار پر بھی جس کو جرائم تمہارے نہیں لگتے
کہتے تو ہیں رو رو کے گزاری ہے شب ہجر
چہرے مگر شب غم میں گُزارے نہیں لگتے
اس شہرِ تمنا میں ہیں تیری وفاؤں کے چرچے
سچ پوچھو تو وہ قصے تمہارے نہیں لگتے
وہ جو لوٹ کے آئے ہیں میرے آنگن میں دوبارہ
تہی داماں پگھیر و تیرے سُدھارے نہیں لگتے
اُجڑی سی بستی میں بے حال سے پھرتے ہیں
کیوں اچھے تجھے طاہر یہ نظارے نہیں لگتے

ممتاز منور پیر بھائی

جنہیں دعویٰ تھا ہیں وہ میرے ہمراز
نہ سن پایا شکستہ دل کی آواز
شب فرقت کا مارا اک دیوانہ
لئے پھرتا ہے وہ ٹوٹا ہوا ساز
چھپایا لاکھ دل کا حال دلبر سے
شب تنہا کی آنکھیں غماز
جو کھولوں لب تو منظر ہو قیامت کا
نہ پوچھو دل میں کتنے ہیں چھپے راز
خرد کہتی ہے وہ در چھوڑ دے اب تو
وہیں پھر چل کہتی دل کی آواز

افتخار راغبؔ

رنج و غم کا سامنا ہے کس قدر پردیس میں
اب بکھر جاؤں نہ یوں ہی ٹوٹ کر پردیس میں
اپنی مرضی کی اُڑانیں بھر نہیں سکتے پرند
کٹ گئے ہوں جیسے سب کے بال و پر پردیس میں
سونے چاندی کے ثمر لگتے کہاں ہیں پیڑ پر
مت سمجھ بکھرے پڑے ہیں مال و زر پردیس میں
اجنبی آب و ہوا آتی کہاں ہے سب کو راس
جڑ پکڑ پاتے نہیں سارے شجر پردیس میں
وقت اور حالات نے راغبؔ کیا مجبور یوں
خیمہ زن ہونا پڑا تھک ہار کر پردیس میں

اشفاق چترانوی

دل شاد ہو کبھی بھی یہ حالت نہیں رہی
داغِ جگر دکھاؤں یہ عادت نہیں رہی
تنہائیوں کے رستے میں آگے نکل گیا
اب لوٹ کر میں آؤں یہ طاقت نہیں رہی
جو تجھ کو آز مایا ملے غم عمر ہی کے
اب خود کو آزماؤں یہ ساعت نہیں رہی
جب تشنہ میرے لب تھے نہ اک بوند ہی ملی
اب خاک میں ملاؤں جو حاجت نہیں رہی
غم پی لئے میں نے ہاں لب سی لیے میں نے
اس سنگ دل میں بھی وہ مروت نہیں رہی
سب ایک دوسرے کے سدا کام آتے تھے
سب آج دوستوں میں رفاقت نہیں رہی
سب ایک دوسرے کی بڑی چاہ کرتے تھے
اشفاق رشتوں میں وہ صداقت نہیں رہی

شہزاد تابشِ

اس طرح وصل کے آثار سے مل آتے ہیں
ہم ترے سایہ دیوار سے مل آتے ہیں
ہم اناڑی ہیں کہ ساحل پہ کھڑے ڈوب گئے
لوگ ماہر ہیں جو منجدھار سے مل آتے ہیں
جب قلم سے نہیں ملتی ہمیں پوری اُجرت
جا کے پھر درہم و دینار سے مل آتے ہیں
کار آمد یہاں جیتے ہیں فقط اپنے لئے
آؤ چل کر کسی بے کار سے مل آتے ہیں
جانے کیوں تیرہ شبی اور بھی بڑھ جاتی ہے
جب بھی ہم چہرہ انوار سے مل آتے ہیں
تم بڑھاؤ شب تیرہ سے مراسم اپنے
ہم نئے جدت و افکار سے مل آتے ہیں
میرے اندر ہے گھٹن میری زباں کٹنے سے
آ کسی صاحب اسرار سے مل آتے ہیں
ہر پرندے کا نشیمن ہے کہاں پیڑوں پر
پھر بھی جنگل میں وہ اشجار سے مل آتے ہیں
اب سمیٹوں بھی تو کیسے میں بدن کے ٹکڑے
اتنا سوچا تھا کہ تلوار سے مل آتے ہیں
چل کے ہم صورت سایہ بھی جہاں میں تابشِؔ
برق زادوں کی بھی رفتار سے مل آتے ہیں

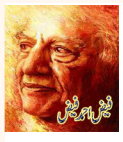

فیض احمد فیض

جلنے لگیں یادوں کی چتائیں
آؤ کوئی بیت بنائیں

جن کی رہ تکتے تکتے جُگ بیتے
چاہے وہ آئیں یا نہیں آئیں
آنکھیں موند کے نِت پل دیکھیں
آنکھوں میں اُن کی پرچھائیں
اپنے دردوں کا مُکٹ پہن کر
بے دردوں کے سامنے جائیں
جب رونا آوے مسکائیں
جب دل ٹوٹے دیپ جلائیں
پریم کتھا کا اَنت نہ کوئی
کتنی بار اُسے دھرائیں
پریت کی ریت انوکھی ساجن
کچھ نہیں مانگیں، سب کچھ پائیں
فیضؔ اُن سے کیا بات چھپی ہے
ہم کچھ کہہ کر کیوں پچھتائیں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

تر یہ دامن اگر نہیں ہوتا
اُس کو کھونے کا ڈر نہیں ہوتا
مسکرانا تو اس کی عادت ہے
ہم سے کیوں یہ ہنر نہیں ہوتا
جذبہ عشق گر ہو سینے میں
کیا وہ زیر و زبر نہیں ہوتا
اور ہوتا ہے راستہ مشکل
جب کوئی ہمسفر نہیں ہوتا
گرچہ دیوار و در تو ہوں موجُود
ہر مکاں پھر بھی گھر نہیں ہوتا
گر صدف گود میں نہ لے اُس کو
کوئی قطرہ گُہر نہیں ہوتا
طُور ٹکڑے ہوا تھا کیونکر، گر
پتھروں پر اثر نہیں ہوتا
طارقؔ اس کو نہ آزما وہ خدا
کوئی عاجز بشر نہیں ہوتا

❁

تُجھے عزیز ترا سلطنت میں رہنا ہے
مگر ضروری ترا خیریّت میں رہنا ہے
تُو سی کے لب بھی وہاں پر گزارا کر لینا
تجھے خموش اگر مصلحت میں رہنا ہے
کہیں جو آنا پڑے ملک چھوڑ کر تُجھ کو
جہاں تُو جائے اسی شہریت میں رہنا ہے
رہا تُو آج بھی دنیا کی چال سے غافِل
یہ بچپنا ہے کہ معصومیّت میں رہنا ہے
تُو سیکھ پایا نہیں داؤ عشق کے اب تک
ابھی کچھ اور تجھے تربیت میں رہنا ہے
ترے وجود سے وابستہ سرفرازی سب
جہاں رہے تجھے اب تمکنت میں رہنا ہے
نہ چھین پائے گا تجھ سے کوئی تری کوئی خوشیاں
تُجھے بلندؔ صد مرتبت میں رہنا ہے
تُو جس کے گھر میں ہے قسمت سے آ گیا طارق
ہمیشہ تُجھ کو اسی عافیت میں رہنا ہے

❁

کس قدر ہاتھ کی صفائی ہے
بے خبر لُٹ گئے، دُہائی ہے
وصل کی ہو گی ایک آدھ گھڑی
کتنی لمبی مگر جُدائی ہے
اس سے ملنا ہوا تھا مشکل تر
لیکن آسان اب رسائی ہے
چل پڑے ہیں سو دیکھتے ہیں اب
کس نے یہ راہ آزمائی ہے
مانگ لے اس سے اس نے خود ہی تو
مانگنے کی ادا سکھائی ہے
وہ ہمارا ہے، مان ہے اُس پر
بندگی میں ملی خدائی ہے
گو بظاہر نظر نہیں آتا
ہوتی مشکل یہ پارسائی ہے
صاف مجھ سے یہ کیوں نہیں کہتے
بات یہ میرے دل میں آئی ہے
طارقؔ اب کہہ رہے ہو اتنا کچھ
پہلے یہ بات کیوں چھپائی ہے

❁

تم سے ایسی ہوئی شناسائی
اب مجھے کاٹتی ہے تنہائی
رازِ دل جاننے لگے ہیں لوگ
گرچہ ہے گفتگو میں گہرائی
سانس لینا بھی تھا مجھے مشکل
تم نے اُلجھی یہ ڈور سُلجھائی
تیری خاطر ہمیں گوارا ہے
ورنہ منظور کب تھی رُسوائی
کچھ کمی ہی نہیں وفا میں جب
کیسے کہہ دے گا کوئی ہرجائی
چند لمحے ملے جو فرصت کے
تیری تصویر دل میں در آئی
آخری سانس تک ترے ہیں ہم
ہم نے سیکھی نہیں ہے پسپائی
ہم جو بِک جائیں دام اچھے ملیں
شہر میں ہو گئی ہے مہنگائی
طارق آتے ہیں دن خوشی کے اب
کان میں گونجتی ہے شہنائی

❁

چاند تم ہو تو چاندنی میں ہم
ورنہ رہ جاتے تیرگی میں ہم
تیری آواز سن کے آئے ہیں
ڈوب کر تیری نغمگی میں ہم
تُو نے رستہ ہمیں دکھایا تو
آگئے تیری روشنی میں ہم
تُو نے جس یار سے ملایا ہے
پا گئے اُس کو زندگی میں ہم
ہم تو بھولے ہیں اپنے ماضی کو
کھو گئے زیست آخری میں ہم
ہم نہاں تھے جہاں کی نظروں سے
اب تو ظاہر ہیں شاعری میں ہم
دشمنی کرکے اُس سے کیا لینا
جس کو جیتے ہیں دوستی میں ہم
سب کو دیتے ہیں ہم دُعا طارق
گالیاں سُن کے ''کافری'' میں ہم

طفیل عامر

چین پل بھر بھی نہیں
ختم اس پر بھی نہیں
آرزو جینے کی ہے
موت کا ڈر بھی نہیں
درد کب معلوم ہو
آنکھ جب تر بھی نہیں
بھائی بندی بھولئے
خیر سے گھر بھی نہیں
ہاتھ ہیں جو بے ہنر
جیب میں زر بھی نہیں
دیکھنے سے تھی خوشی
آج مل کر بھی نہیں

❁

یہ جھوٹ ہے یا سچ کہ اثر جاگ اُٹھے ہیں
اٹھتے ہی نہیں کیوں، وہ اگر جاگ اُٹھے ہیں
دیکھا ہے جنہیں، لگتا ہے دیکھا نہ تھا پہلے
جو دیکھتا ہوں وہ ہی سفر جاگ اُٹھے ہیں
کب ترک کریں اپنی روش دیکھنا یارو
کب نور نظر، لخت جگر جاگ اُٹھے ہیں
سچ کڑوا ہے اتنا کہ نہیں مانتے صاحب
ہم تو یہ سمجھتے ہیں، بشر جاگ اُٹھے ہیں
اب اور کسر باقی ہے کیا، دیکھ تو عامر
لگتا ہے کہ اب سارے نگر جاگ اُٹھے ہیں

❁

امتحاں کڑا رہا
دُھوپ میں کھڑا رہا
کوئی دریا بھی نہیں
دائمی چڑھا رہا
کاش جان لیتا میں
ہاتھ کیوں بڑھا، رہا
کوئی کب ہے سوچتا
کون ہے لڑا رہا
جان ہی نہ پایا میں
کس کے در پڑا رہا
عامرؔ نہ سوچ پایا یہ
دل ہے کیا پڑھا رہا

ڈاکٹر فرزانہ فرحتؔ

ہوائے تند گئی ہے جسے گراتے ہوئے
لگے تھے مجھ کو زمانے وہ گھر بناتے ہوئے
کبھی میں وقت کے پنچھی کو قید کر نہ سکی
جو اُڑ گیا تھا مجھے آئینہ دکھاتے ہوئے
اسی لیے مرے شعروں میں درد ہے اتنا
کٹی ہے عمر مری رنج و غم کماتے ہوئے
دکھوں میں لپٹی ہوئی تھی یہ شاعری میری
میں رو پڑی تھی کسی کو غزل سناتے ہوئے
مری نظر اسے اب بھی تلاش کرتی ہے
بچھڑ گیا تھا جو اک دن مجھے رُلاتے ہوئے
کبھی تو ان کو حقیقت کا روپ دے جاؤ
میں تھک گئی ہوں یہ خوابوں کے گھر بناتے ہوئے
اسی لئے تو مجھے ہارنے کا خوف نہیں
میں جیت جاتی ہوں اکثر شکست کھاتے ہوئے
اُنہی دکھوں کی اذیت سے چور ہوں اب تک
مجھے جو وقت نے بخشے ہیں آزماتے ہوئے
ملا نہ آج تلک مجھ کو موسمِ فرحتؔ
پلٹ گئی ہے ہمیشہ بہار آتے ہوئے

❁

یہ الگ بات زرا تجھ سے پرے بیٹھے ہیں
انجمن میں نہیں ہم دل میں ترے بیٹھے ہیں
چارسو جب ہیں عداوت کے گھنیرے سائے
ہم محبت کے خیالوں میں گھرے بیٹھے ہیں
آرزو ، خواب، خیال اور ہزاروں سوچیں
اپنے دل میں یہی سامان لئے بیٹھے ہیں
کیا کہا؟ تجھ سے بہت دور بہت دور ہیں ہم

ترے کوچے تری چوکھٹ پہ اڑے بیٹھے ہیں
اپنی طاقت پہ جنھیں ناز رہا ہے فرحتؔ
گھر میں اپنے وہ وباؤں سے ڈرے بیٹھے ہیں

❁

عمر بھر چلتی رہی اور راستہ باقی رہا
میرے درد وغم سے میرا رابطہ باقی رہا
وصل کی تدبیر ہوتی کس طرح سے جانِ جاں
تیرے میرے درمیاں جب تیسرا باقی رہا
منزلوں کے درمیاں تھا راستہ اتنا طویل
کہ ہمارے درمیاں اک فاصلہ باقی رہا
تیری یادوں کی ہے خوشبو میرے ہمرہ آج تک
بعد تیرے بھی ترا ہر نقشِ پا باقی رہا
تجھ کو یہ معلوم ہے کہ تجھ سے ہے فرحتؔ مری
پھر تری آنکھوں میں کیوں شکوہ گلہ باقی رہا

❁

میں گڈی وچ کلی رہ گئی
دوجی سیٹ تے ملی رہ گئی
تینوں زہنوں کڈھنا چاہیا
سوچاں دی تھرتھلی پے گئی
سکھاں والی دولت لے گیا
میرے نال تسلی رہ گئی
لوکی بہت سیانے ہوگئے
میں کملی تے جھلی رہ گئی
فرحتؔ دنیا دے میلے وچ
ویکھو میں اج کلی رہ گئی

اطہر حفیظ فراز

چمن میں تیری خوشبو کی اگر بھر مار ہو جائے
سبھی کلیوں کی آپس میں بحث، تکرار ہو جائے
یہ جیون بھی مرے پیارے!! دکھوں پہ دکھ پروتا ہے
پرانے غم سے نکلیں تو نیا تیار ہو جائے
جسے چاہے عطا کر دے، جسے چاہے جدا کر دے
دل کافر قبیلے کا اگر سردار ہو جائے
وہ ناؤ سر پھری لہروں میں دریا پار کرتی ہے
خدا جس ڈوبتی کشتی کا خود پتوار ہو جائے
کوئی تارا، کوئی جگنو، کوئی چندا، کوئی خوشبو
مری گمنام ہستی میں کوئی کردار ہو جائے
یہاں پر کون ہے ساری غزل کو جو سراہے ہے
فقط اک شعر کافی ہے اگر شہکار ہو جائے
وہ کیا بولا تھا میں نے؟ ہاں!! مجھے پھر یاد آیا ہے
کوئی نظر کرم مجھ پر مری سرکار!! ہو جائے
اجی! یہ عشق ہے صاحب! کوئی بیعت یہ تھوڑی ہے
دوبارہ بھی یہ ممکن ہے اگر اک بار ہو جائے
کہیں پر رات کی رانی، کہیں غنچے، کہیں کلیاں
کہیں ایسا نہ ہو دل پر مرے یلغار ہو جائے
محبت ساتھ چلتی ہو تو پتھر پھول لگتے ہیں
اکیلے میں رہ گل بھی بہت دشوار ہو جائے
یہ دنیا کس قیامت کی خبر سن کر پریشاں ہے
وہ جو اس پار ہونا ہے، ذرا اس پار ہو جائے
ہزاروں جنگجوؤں کو میں نہتا مار سکتا ہوں
میں ہاروں جب مقابل پر مرا ہی یار ہو جائے
سمندر ہوں، ستارہ ہوں، فراز!! اس کو کوئی کہہ دے
جسے گمنام سمجھا ہے، وہ گر اخبار ہو جائے

❁

نہ بجلی ہے نہ پانی ہے یہاں تو بس اندھیرا ہے
سکوں ہے اور نہ شانتی ہے نہ ہی خوشیوں کا پھیرا ہے
بہاروں کے دنوں میں بھی خزاؤں نے جو گھیرا ہے
الہیٰ میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟؟؟

****

کبھی چینی نہیں ملتی کبھی تکرار چلتی ہے
کبھی ڈیزل جو بڑھتا ہے تو اک تلوار چلتی ہے
نہ پوچھو زندگی کیسے اے میرے یار!! چلتی ہے
وطن ہے حکمرانوں کا نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
الہی میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

****

کہیں بارود گرتا ہے، کہیں ہوتے دھماکے ہیں
الہی میری بستی میں فقط فاقے ہی فاقے ہیں
یہ اپنی بدنصیبی ہے یا پھر لکھے قضا کے ہیں
بھلا کب رات بیتے گی کہ کب آنا سویرا ہے
الہی میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

****

ہمیں گندم بھی حاصل ہے سبھی اجناس رکھتے ہیں
کہ آبادی بکثرت ہے بہت احساس رکھتے ہیں
وطن کی مٹی سونا ہے یہ ہم بھی قیاس رکھتے ہیں
خدا کی سب عنائت ہے مگر پھر بھی اندھیرا ہے
الہی میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

****

یہاں پر قتل ہوتے ہیں یہاں پر گھاؤ لگتے ہیں
یہاں حوا کی بیٹی کے بھی کتنے بھاؤ لگتے ہیں
مساجد میں چلے جائیں وہاں بھی داؤ لگتے ہیں
دھرم کے سائے میں اب تو سیاست کا بسیرا ہے
الہیٰ میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

****

مرے اجداد نے بڑھ کر دیا اس کو سہارا ہے
مرے اسلاف نے اس کو لہو سے بھی نکھارا ہے
وطن جیسا بھی ہے یارو!! وطن آخر ہمارا ہے
خزانے اس کے بھر دیں گے، لٹا اب تک بتھیرا ہے
الہیٰ میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

****

چلو مل کر ادا کر دیں جو حق ارض ہم پر ہے
بزرگوں نے جو ٹھانی تھی وہی اب فرض ہم پر ہے
وطن کو خوشنما کر دیں وطن کا قرض ہم پر ہے
ہم ان کو دور کر دیں گے یہاں جو بھی لٹیرا ہے
الٰہی میری بستی میں یہ کس آفت کا ڈیرہ ہے؟

بسم اللہ کلیم

سَمے دا ویہڑا

دِل والی پڑچھتّی تے مَیں
یاداں دے اخبار وِچھا کے
پُونجھ پانجھ کے آساں تے اُمیّداں والے
رَنگلیا کھر پیار محُبت نال سجائے
سَمے دے ویہڑے والی ٹاہلی
تھلّے سدھراں دی گھڑوَنجی
رَنگ برَنگے کوکیاں والی
تیرے میرے ہَوکیاں والی
اُس تے اپنے دو نیناں دے گھڑے ٹِکا کے
پلکاں والیاں چھُونُیاں دے کے
ہنجُواں دے گجرے لمکا کے
پیا اُڈیکاں گِنڑاں تریکاں
سَمے دے ویہڑے وِچ اِک پاسّے
جِیوَنڑ چرکھا تھکّا ہاریا، بُڈھا چرکھا
جَگ دے میہنڑیاں دا زَنگ
اُس دے تکَلے اُتّے
زَنگ دے مارے تکَلے اُتّے
تَنداں دی تھاں میری رَگ رَگ
لَوے ہُلارے چِیکاں مارے
سَمے دے اوسے ویہڑے اندر اِک نُکّر وِچ
غماں دا چُھلاّ ڈاہ کے میں اکلاپا سیکاں

راہ وَل ویکھاں ہاواں وِچ اکلاپے دا بُر کیجا بالنڑ
ٹھنڈا، تتّا نہ ایہہ ٹھنڈا ہووے تے نہ آگ بھَڑکاوے
سَمے دا ویہڑا ڈُھونڑی ڈُھونڑی گھٹدا جاوے
کوئی نہ مِلیا گیاں نُوں جیہڑا موڑ لے آوے
گیاں نُوں کیہڑا موڑ لے آوے

ساغر صدیقی

ہم اہل وفا حسن کو رُسوا نہیں کرتے،
پردہ بھی اُٹھے رُخ سے تو دیکھا نہیں کرتے
دل اپنا تصور سے ہی کر لیتے ہیں روشن
موسیٰ کی طرح طور پہ جایا نہیں کرتے
رکھتے ہیں جو اوروں کیلئے پیار کا جذبہ
وہ لوگ کبھی ٹوٹ کے بکھرا نہیں کرتے
مغرور ہمیں کہتی ہے تو کہتی رہے دنیا،
ہم مڑ کے کسی شخص کو دیکھا نہیں کرتے
ہم لوگ تو مے نوش ہیں بدنام ہیں "ساغر"
پاکیزہ ہیں جو لوگ، وہ کیا کیا نہیں کرتے

ایس۔ایم۔تقی حسین

مزہ بہت ہے تقی شبنمی شبوں کا مگر
وہ لطف اور کہاں ہے جو برشگال میں ہے
بڑی عجیب ہے دنیا بھی روز و شب کی یہاں
خزاں، بہار کی الجھن بھی ماہ و سال میں ہے
ستارے اور بھی روشن ہیں آسماں کے مگر
وہ حُسن اور کہاں ہے جو تیرے خال میں ہے
یہاں سے لے کے وہاں حد نظر دور تلک
وہ حسن منفرد ہے جو ترے جمال میں ہے

مُبشرہ ناز

برآمدے میں پڑی
ماں کی خالی چارپائی
میرے قہقہے سُن کر
غضب سے دیکھتی ہے میری جانب
مُجھے محسوس ہوتا ہے
اچانک پائینتی کی رسّیاں
مری اِس بے حسی پر
طیش میں آ کر
وتینِ جاں کو میری گھونٹ کر
پامال کر دیں گی
مُجھے بے حال کر دیں گی
اُسی لمحے نہ جانے کس جہاں سے
مہربان ہاتھ ماں کے
تڑپ کر، آگے بڑھ کر
رسّیوں کو تھام لیتے ہیں
مگر میں سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتا ہوں
وہ ماں کی چارپائی
آج پھر شاید رات بھر روتی رہی ہے
لگتا ہے آج پھر ماں
اُسے یاد آئی ہے۔۔۔!

جبیں نازاں

ستم یوں مجھ پر وہ کر رہا ہے
یہ من پسند اس کا مشغلہ ہے
قصور اپنا بتا رہا ہے
نسب کا لگتا ہے وہ بھلا ہے

اسے کبھی یار مت سمجھنا
قدم پہ حاجت سے گر پڑا ہے
کرو نا!الفت کی بات پھر سے
عناد میں کیا کوئی مزا ہے؟
کرم کریں یا ستم کریں وہ
غریب دل صبر آزما ہے
نہیں ہے قاتل یہاں تو کوئی
لہو کا دریا یہ کیوں بہا ہے
سبھی کے لب پر وفا کے نغمے
بتا کہ پھر کون بے وفا ہے؟
وہ کیسے جھک جائے عاجزی سے
جو بے ثمر اک شجر کھڑا ہے
محال ہے غم چھپا کے جینا
وجود نآزاں الم نما ہے

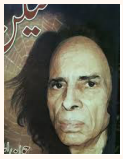

یومِ وفات
جون ایلیا

یوں مجھے کب تلک سہو گے تم
کب تلک مبتلا رہوگے تم
درد مندی کی مت سزا پاؤ
اب تو تم مجھ سے تنگ آجاؤ
میں کوئی مرکزِ حیات نہیں
وجہِ تخلیقِ کائنات نہیں
میرا ہر چارہ گر نڈھال ہوا
یعنی، میں کیا ہوا، وبال ہوا
جونؔ غم کے ہجوم سے نکلے
اور جنازہ بھی دھوم سے نکلے
اور جنازے میں ہو یہ شورِ حزیں
آج وہ مر گیا، جو تھا ہی نہیں

رئیس اعظم حیدری

رکھو سر پہ اپنے شریعت کی چادر
اگر چاہئے تم کو جنت کی چادر
خسارے میں نادان تم پڑ گئے ہو
چڑھا کر مزاروں پہ الفت کی چادر
مجاور اسے بیچ کر کھا رہے ہیں
بہت قیمتی ہے جو تربت کی چادر
بدن پر نہیں جنکے کپڑا ہے کوئی
اڑھا دو انہیں تم محبت کی چادر
یہ شرم و حیا کی ہے زینت تمہاری
رکھو تھام کر تم شرافت کی چادر
محبت کی چادر کو زینت بناؤ
اتارو بدن سے عداوت کی چادر
جسے تم سمجھتے ہو انصاف پرور
وہ منصف نہیں ہے عدالت کی چادر
ہے قاتل حسینہ جو نکلی ہے گھر سے
بدن پر لپیٹے نزاکت کی چادر
رئیس اس جہاں میں سکوں چاہتے ہو
تو لاؤ جہاں میں خلافت کی چادر

❁

میں نے کہی ہے خوب حسیں رات میں غزل
لیکن سنا رہا ہوں میں برسات میں غزل
بانہوں میں بانہیں ڈال کے پیاری غزل
مری چلتی ہے ساتھ ساتھ مرے ساتھ میں غزل
ڈر ہے کہیں نہ قتل کسی وقت کر وہ دے
رہتی ہے وہ ہمیشہ مرے گھات میں غزل
کرتا ہوں میں پسند جسے اس کو کیا کروں
لیکن نہیں ہے وہ تو مری ذات میں غزل
وہ شاعرِ غزل ہے بھی کہتا غزل ہے خوب
مجھ کو سناتا رہتا ہے ہر بات میں غزل
گندی ہوا یہ آئی کہاں سے بتا یئے
جانے لگی ہر اک سو مزارات میں غزل

سعید ہاشمی

ماں محسوس ہوتی ہے
نظر کے سامنے جیسے
بھی وہ پھول کے مانند
نظر سے دور جو جا
تو خوشبو بن کر آتی ہے
ماں محسوس ہوتی ہے
خوشبو پھول زادی ہو
کسی آنچل سے نکلی ہو
کسی تربت پھھری ہو
کیسی سہرے کی باسی ہو
مگر محدود مدت تک بیچاری قائم رہتی ہے
مگر پھر ایک خوشبو جو ہمیشہ ساتھ رہتی ہے
وہ خوشبو ماں کی ہوتی ہے
ماں محسوس ہوتی ہے
جب بیزار ہوتا ہوں زمانے بھر کی
اُلجھن سے اپنوں کی عداوت سے
سورج کی تمازت سے
پھرو جب میں جلتا ہوں
جب ایسے میں گھٹا آکر
سورج ڈھانپ دیتی ہے
تو ماں محسوس ہوتی ہے
بازار زیست میں ہر سو روپے
پیسوں کی چھن چھن ہے

کہیں تحفوں کی چاہت ہے
کہیں رشتوں کی الجھن ہے
ہماری زندگی تو بس کسی آتش کا ایندھن ہے
ایسے میں کوئی پوچھے کہ روٹی کھائی ہے تم نے؟
تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
ماں محسوس ہوتی ہے
نمازوں میں دعاؤں میں
قران کی پاک صداؤں میں
جب ذکر جنت کا آتا ہے
قسم معبود کی میرے، ایسے ساعت میں مجھ کو
ماں محسوس ہوتی ہے

عاصی صحرائی

اہل چمن کے ہم تو ستائے ہوئے ہیں لوگ
دھرتی کی مانگ خوں سے سجائے ہوئے ہیں لوگ
ہم ہیں جو اسمٰعیل کی سنت پہ چلنے والے
ہاں سینا و فاران سے آئے ہوئے ہیں لوگ
پیراہنِ یوسف تو ہے آلودہ لہو سے
چاہِ مصر میں ہم ہی ہیں گرائے ہوئے ہیں لوگ
وہ آج ہیں یزید کی راہوں پہ چلنے والے
راہِ حسین پر ہم چلائے ہوئے ہیں لوگ
کیوں کلمہ توحید سے عداوت ہے اس قدر
کلمہ پہن کے زنداں میں لائے ہوئے ہیں لوگ

***

تقدیر میں دیدار ترا شام و سحر ہے
معراجِ محبت ہے مجھے اس کی خبر ہے
کہتے رہے اے کاش ہو جائے نظارہ
سوچا نہ کبھی اپنی دعاؤں میں اثر ہے
پھوٹی ہے نور کی کرن اس ماہِ مبیں سے
پھر کیسے کہوں وہ بھی کوئی ہم سا بشر ہے
ظاہر میں وہ انساں مگر نور کا پرتو
باطن میں خدا جانے کہ خور شید و قمر ہے
آنکھیں ترے قدموں میں بچھاتا رہا عاصیؔ
ہوجائے اگر دید یہی میرا ثمر ہے

***

امیر شہر کے وعدوں کا کیا بتاؤں میں
جو کرتے ہیں وہ کہاں پر نبھائے جاتے ہیں
علمائے سُو خود بھی اُن پر عمل نہیں کرتے
وہ سب نصائح جو خطبات میں بتائے جاتے ہیں
کیوں مسجد و منبر کا تقدس ہوا پامال
وہاں وہ کام نہیں ہوتے جو بتائے جاتے ہیں
یہ ممبران ہیں سب لوٹ مار کے ماہر
یہ راہزن ہیں جو سسٹم میں لائے جاتے ہیں
جو ممبرانِ اسمبلی لگاتے ہیں قیمت
تو خریدار اس کے بھی شہر میں پائے جاتے ہیں
جو بیچنے والے ہیں ایمان اُن سے مل کے دیکھ
یہ ایسے ہیں نہیں، جیسے بتائے جاتے ہیں
وہ کیسے جادو سے پیروں نے مردے زندہ کئے
جیسے صرف دوشیزہ کے جن بلائے جاتے ہیں
ایک وقت لوطؑ کو چھوڑ گئی تھی اس کی بیوی
اب بھی میرے شہر میں ایسے قصے سنائے جاتے ہی

***

ملنے کو تڑپتا ہوں یہ اک بات سمجھ لے
اے میرے وجیہہ تو مجھے دلدار سمجھ لے
خود اپنے ہی دل سے مرا حال تو پوچھو
اے میرے مسیحا مجھے بیمار سمجھ لے
روشن ترے رُخسار ہیں مہتاب کی مانند
اے پھول مرے میں ہوں تری مہکار سمجھ لے
اب چارہ نہیں کوئی بنا وصل کے تیرے
کر چارہ گری کتنا ہوں لاچار سمجھ لے
پڑھتا ہوں سدا تیری محبت کے قصیدے
تو اپنے پریمی، کو شہر یار سمجھ لے
چھپ چھپ کے فقط کرتا ہوں بندگی تیری
کس قدرؔ ہے عاصی و گنہگار سمجھ لے

افتخار راغبؔ

ختم ہو جائے لڑائی بیچ میں
اِس لیے پڑتا ہوں بھائی بیچ میں
بیچ میں کیسے کہانی رہ گئی
آ گئی کیسے جدائی بیچ میں
میں وطن میں فون کرتا رہ گیا
رہ گئی ساری کمائی بیچ میں
بھائی بھائی کو جھگڑتا دیکھ کر
آ گیا دشمن کا بھائی بیچ میں
ڈھو رہا ہے کم سِنی سے گھر کا بوجھ
چھوڑ دی اس نے پڑھائی بیچ میں
ہر طرف ہے تیری یادوں کا ہجوم
اور میری چارپائی بیچ میں
کر رہے ہو تم سفر سوئے بہشت
دیکھنا دنیا ہے بھائی بیچ میں
دید سے تیری افاقہ ہے بہت
روک مت دینا دوائی بیچ میں
رہ گئی مبہم سی راغبؔ داستاں
گر گئی تھی روشنائی بیچ میں

طفیل عامر

کچھ بات تو ہو دیوانے میں
جو پھول کھلیں ویرانے میں
سیدھا سادہ سا رشتہ ہو
کوئی پیچ نہ ہو یارانے میں
سب شکوے گلے ہیں اپنوں سے
چاہت دیکھوں بے گانے میں
مدہوشی اک کیفیت ہے
کیوں جائیں ہم میخانے میں
چاہا تھا تجھ کو دانستہ
کیا بھول ہوئی انجانے میں
مشکل سے بات ہی کر پائے
پھر عمر لگی دہرانے میں
کیوں اتنا لمبا سوچا تھا
کیوں دیر لگی جتلانے میں
دل اپنی مرضی کرتا ہے
بے کار جتن سمجھانے میں
جو جل کر جان گنوا بیٹھے
دم ہوتا ہے پروانے میں
جب تو تو، میں میں ہونے لگے
تو آگ لگی کاشانے میں
اشعار میں بات ہو اپنی ہی
کیا عامرؔ نام افسانے میں

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

میری آنکھوں میں کوئی خواب انوکھے جاگے
جب مرے دل میں ترے پیار کے جذبے جاگے
پھر سیہ رات مرے صحنِ چمن میں اتری
پھر مرے ساتھ مری روح کے چھالے جاگے
ہمسفر بن کے جو ہم ساتھ چلے تھے برسوں
میری تنہائی میں اس یاد کے لمحے جاگے
رات بھر تجھ سے خیالات میں باتیں کی تھیں
وقت جب جب وہ مرے ساتھ پرانے جاگے
کس قدر خواب مری آنکھ میں سوئے تھے مگر
میں جو سوئی تو مری آنکھ جے سپنے جاگے
شہرِ الفت کا کوئی باب کھلا نہ فرحتؔ
نہ مقدر کے مرے ساتھ ستارے جاگے

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

حسن و جمال، عاشقی، پگلوں کی داستاں
دیکھے خرد، ستارے بناتی ہے کہکشاں
غفلت میں ہی گزار دی اب تک کی زندگی
ہم سے تو دور ہوسکیں اب تک نہ سُستیاں
چاہت میں اس کی دو قدم آگے جو بڑھ گئے
اب واپسی کا دل میں بظاہر نہیں گماں
علم الیقین سے ہمیں اتنا پتہ چلا
جلتی ہے آگ جب کہیں اُٹھتا تو ہے دُھواں
آئے ہیں میکدے میں تو احساس یہ ہوا
پیتے ہیں جام روز جو رہتے ہیں مست یاں
اک مست حال کی نظر ہم پر بھی ہے پڑی
دل رقص کرے آنکھ سے ہیں اشک بھی رواں
ہم دشت دشت پھر کے بھی جس کو نہ پا سکے
آئے درِ حبیب پہ تو مل گیا یہاں
طارقؔ گزر گئی جو نشیب و فراز میں
دیکھی ہیں زندگی میں حسیں بھی تو وادیاں

عبدالجلیل عباد

کہاں سے پھوٹتی نفرت ہمیں اب سوچنا ہوگا
ہمیں الزام دستِ وقت پہ رکھنے سے پہلے اب
گریبانوں میں، آئینوں میں، اپنے جھانکنا ہوگا
یہ سورج روز چڑھتا ہے ہمارے سَر پہ وحشت کا
ہمیں دریا کوئی اشکوں کا سَر پہ تاننا ہوگا
درندے کھا ہی جائیں گے جو جنگل میں رہے سوتے
اگر رہنا ہے زندہ تو ہمیں اب جاگنا ہوگا
جلائیں خواب کب تک ظُلم کی اِس دھوپ میں آخر
یہ مالِ زیست ہے کوئی حصار اب کھینچنا ہوگا

سیدہ منور کوثر لندن

اہل دل مرکز تنہا ہوتے نہیں
یہ بچھڑتے ہیں جدا ہوتے نہیں
بزم یاراں میں مجھے افسوس ہے
آپ میرے ہم نوا ہوتے نہیں
سوچتی ہوں باندھے ہو کس لئے
جو ارادے دیرپا ہوتے ہیں
رک گئے جو راستے میں وہ کبھی
منزلوں سے آشنا ہوتے نہیں
جی بھی لیتے ہیں قفس میں چار دن
وہ پرندے جو رہا ہوتے نہیں
ہر گھڑی ہر پل ذرا سی بات پر
اس قدر خود سے خفا ہوتے نہیں
کس لئے کوثر بتا گھبرا گئی
درد سارے لادوا ہوتے نہیں

شیریں گل صاحبہ

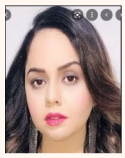

کیا فائدہ دل میں چھپا رکھنے کا الفت
جب تک کہ نہ لکھی ہو عبارت نہیں ہوتی
سر کے جھکانے میں اگر دل نہ ہو شامل
مرضی نہ ہو جس میں تو اجازت نہیں ہوتی
کچھ نعروں کے لگ جانے لیڈر نہیں بنتا
سمجھے نہ مسائل تو قیادت نہیں ہوتی
سجدوں سے نہ قعدوں سے نمازیں نہیں ہوتی
جب دل میں صنم ہو تو عبادت نہیں ہوتی
جو حاصل منزل کی تمنا میں نہ تڑپے
جب تک کہ نہ خوں سینچے ریاضت نہیں ہوتی
دنیا میں نہیں گردش خوں زندہ علامت
دنیا سے جو اُٹھتا ہے حرارت نہیں ہوتی
ہنسنے کو اُڑا دیتے ہیں لوگوں کا تمسخر
تکلیف ہو جس میں وہ شرارت نہیں ہوتی
بارش میں اگر مہر بھی دکھ جاتا ہے اے گلؔ
اس کی بھی تو کرنوں میں حرارت نہیں ہوتی

ممتاز عارف صاحب

جب جبیں سے تیری چوکھٹ کا شرر لگتا ہے
پایہ عرش ہے پھر جاکے یہ سر لگتا ہے
سبز گنبد کے تقدس کا خیال آتے ہی
مجھ کو سبزے پہ چلتے ہوئے ڈر لگتا ہے

جہاں جہاں تیرا عکس جمال اُبھرا ہے
وہیں وہیں پہ ستاروں کا جال اُبھرا ہے
عظیم سوچ کے سوتے وہاں وہاں پھوٹے
جہاں جہاں تیرا لمس خیال اُبھرا ہے
کوئی تو شہ ہے جو اندر سے میری ٹوٹتی ہے
اگر کبھی میرا دست سوال اُبھرا ہے
یہی کہا تھا کہ ہم آئینہ بدست بھی ہیں
ذرا سی بات پہ رنگ ملال اُبھرا ہے
مجھے وصال کی لذّت ملے ملے نہ ملے
یہی بات ہے کہ ذوق وصال اُبھرا ہے

شہزادہ قمرالدین مبشرؔ

آئینہ در آئینہ پھرتا ہے جلوہ آپؐ کا
جگمگاتا ہے مرے دل میں سراپا آپؐ کا
کیوں میں اس دنیا کے آلام ومصائب سے ڈروں
مجھ کو اے شاہ مدینہ ہے سہارا آپؐ کا
آنکھ جھپکی ہوگیا تقسیم دو حصوں میں چاند
محوِ حیرت کرگیا سب سب کو اشارا آپؐ کا
حشر میں جب سب کو ہوگی لاحق اپنی اپنی فکر
شاہِ دیں درکار ہوگا مجھ کو سایا آپؐ کا
کیا جچے گا میری آنکھوں میں یہ حسنِ کائنات
میری آنکھوں میں ہے بس روئے دل آرا آپؐ کا
کیا جچے گا میری آنکھوں میں یہ حسنِ کائنات
میری آنکھوں میں ہے بس روئے دل آرا آپؐ کا
آرزو قلب مبشرؔ کی یہی ہے رات دن
در ہمیشہ کے لئے مل جائے شاہا آپؐ کا

منور احمد کنڈے

ویسے تو میں سب صورت دلدار منور
اے کاش ملے عظمت کردار منور
اشکال سبھی دہر میں پھولوں کی طرح ہیں
تنویر سے ہوتے ہیں مگر خار منور
کچھ دیر میں اب دوستو ہونے کو سحر ہے
کرنوں سے ہوئے جاتے ہیں مینار منور
اس گھر میں تو ہر سمت ہی چھایا ہے اندھیرا
ہوجا مرا صحن بھی اک بار منور
شمعوں سے کوئی نقش بھی ہوتا نہیں تبدیل
کرتے ہو کسی داغ کو بیکار منور
کھلتے ہیں اجالوں سے یہاں رنگ ہزاروں
ہوتے ہیں فقط آئینے دو چار منور
رستوں سے بڑھاتا ہوں قدم یوں تو برابر
ہر راہ میں آ جاتی ہے دیوار منور
رہتے ہیں سبھی حرف کسی دھند میں پنہاں
کرتے ہیں تقاضوں کو طلبگار منور
اوروں کی نگاہوں کو نظر جو نہیں آتا
کرنا ہے اسی عکس کا دیدار منور

قریشی داؤد احمد ساجد

یہ ایک زمانہ شروع ہوا وہ ایک زمانہ بھول گیا
اک نئے عہد نے جنم لیا اور عہد پرانا بھول گیا
کن رشتوں نے مجھے پیار دیا اور جینے کا سنگھار دیا
میں اپنی ذات میں یوں الجھا سب تانا بانا بھول گیا
کچھ اور ہی گیتوں کے ساجن ہیں تار ہمارے ہاتھوں میں
وہ گیت جو میرا ورثہ تھے وہ گیت سنانا بھول گیا
میں زخمی تھا میں گھائل تھا پر پھر بھی اس کی چاہت تھی
جو درد مداوا غم کا تھا وہ درد کمانا بھول گیا
میں اونچے اونچے خوابوں کی تعبیر کے پیچھے چل نکلا
جو صدیوں پہلے دیکھا تھا وہ خواب سہانا بھول گیا
اس عہد کا تو بھی حصہ ہے میں بھی اس عہد کا حصہ ہوں
جس عہد کی قدروں کو انساں سینے سے لگانا بھول گیا
وہ جس کی خاطر یہ بانہیں ہر وقت درازاں رہتی تھیں
یہ نئے عہد کا تحفہ ہے وہ ہاتھ ملانا بھول گیا
میں نے ہر چینی کی کالک کو شعلوں سے تعبیر کیا
جو اپنے من میں بھڑکی تھی وہ آگ بجھانا بھول گیا
اے دیدہ ورو، اے فنکارو، مجھے کم ظرفی کا طعن نہ دو
میں بھی تو آخر انساں ہوں کچھ ظرف بڑھانا بھول گیا
کس چاہت سے میں نے گھر پہ مہمان بلایا تھا ان کو
پر دل کے دریچوں کو ساجد پھولوں سے سجانا بھول گیا

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی جانب سے عظیم الشان مشاعرہ

برطانیہ میں کرونا کی جان لیوا بیماری کے بعد پہلی بار لندن میں مشاعرے کا انعقاد کیا گیا

امجد مرزا امجد
رپورٹ و فوٹو:

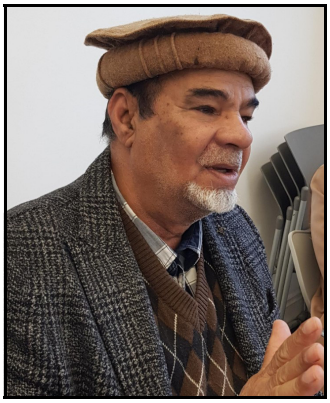

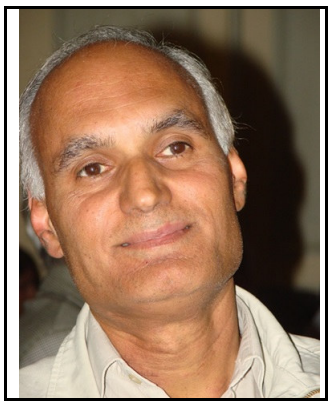

7 نومبر 2021ء بروز اتوار 1 بجے لی بریج روڈ لائبریری ایسٹ لندن میں کوویڈ 19 کے بعد ڈیڑھ سال بعد لندن کی معروف ادبی و سماجی تنظیم ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم لندن'' کی جانب سے عظیم الشان مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ لوگوں کی اپنی عائد کردہ پابندیوں، کرونا کے ڈر، خوف کے باوجود پچیس لوگوں نے شرکت کی۔ حسبِ معمول پہلا گھنٹہ لوگوں کی آمد، چائے کیک بسکٹ اور گپ شپ میں گزر گیا۔ سوا دو بجے مشاعرے کا آغاز کیا گیا۔ تنظیم کے بانی و جنرل سیکریٹری امجد مرزا امجدؔ نے تمام احباب کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ اور تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر رشید اختر صاحب کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی جن کے بعد مشاعرے کی صدارت کے لئے تالیوں کی گونج میں معروف صحافی، شاعرہ، کالم نگار ''دھنک'' اخبار کی بانی و مدیرہ محترمہ سیدہ منور کوثر صاحبہ کو سٹیج پر بلایا۔ ان کے بعد مہمان خصوصی معروف صحافی شاعر کئی کتابوں کے مصنف ماہانہ ''قندیل ادب'' کے مدیر اعلی و بانی جناب عبدالرزاق رانا صاحب اور مہمان اعزازی معروف شاعر محمد ارشاد خان کو سٹیج پر دعوت دی۔

امجد مرزا نے کرونا کے دوران وفات پانے والے ان دوستوں کو یاد کر کے ان کے بارے میں تفصیل سے تعارف کرایا جن میں فاروق قریشی، ڈاکٹر شوکت نواز خان، عادل فاروقی، ابراھیم رضوی، راغب دہلوی، زاہد اسلم، آغا شمس الدین شامل ہیں جو اس مشاعرے میں تواتر سے شرکت کیا کرتے تھے۔ فاروق قریشی اور

ڈاکٹر شوکت نواز تنظیم کے صدور بھی رہے ۔ ان تمام مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی ۔ جو شعرا و ممبران بیمار ہیں ان کے لئے دعائے صحت کی گئی ۔ نظامت کے فرائض حسبِ معمول امجد مرزا نے اپنے خاص انداز میں ادا کئے ۔ مشاعرے کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوتِ مبارکہ سے راجہ محمد الیاس نے کی ۔ امجد مرزا نے ایک نظم پنجابی کی اور ایک اردو کی غزل ترنم سے سنائی جس پر خوب داد دی گئی ۔ ان کے بعد اقبال گل، محمد جہانگیر، محمود علی محمودؔ، عبدالقدیر کوکبؔ، اسلم چغتائی، شاہین اختر شاہینؔ، نجمہ شاہین، راجہ محمد الیاس، چوہدری محبوب احمد محبوبؔ نے اپنا اپنا کلام سنا کر خوب داد وصول کی ۔ آخر میں امجد مرزا نے اسٹیج کے مہمانوں میں سے مہمان اعزازی محمد ارشاد خان کو دعوت کلام دی، جن کے بعد مہمان خصوصی عبدالرزاق رانا صاحب اور آخر میں آج کے مشاعرے کی صدر محترمہ سیدہ منور کوثر صاحبہ کو دعوت کلام اور صدارتی خطبہ کی دعوت دی ۔ محترمہ کوثر منور صاحبہ نے آج کے مشاعرہ کی جو ڈیڑھ سال کے بعد دوبارہ شروع کیا گیا دعائیہ کلمات کے ساتھ مشاعرے کے روح رواں امجد مرزا امجدؔ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ مجھے دلی خوشی ہوئی کہ امجد مرزا نے لندن میں مشاعرے کی دوبارہ ابتدا کر کے زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں ایک اہم رول ادا کیا آپ نے سابقہ چودہ برس سے مشاعروں کے انعقاد کر کے ادب کو زندہ رکھا ۔ مجھے امید ہے کہ حسب معمول ہر ماہ کی پہلی اتوار کو ان مشاعروں کا سلسلہ جاری رہے گا ۔ آپ نے نہایت خوبصورت کلام پیش کر کے بھرپور تالیوں کی گونج میں داد پائی ۔ آخر میں تمام شرکاء کی گروپ فوٹو لی گئی ۔ اور تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا گیا ۔ اس بار ممبر سازی بھی کی گئی جس کے لئے صرف 10 پونڈ سالانہ چندہ رکھا گیا کیونکہ پورے سال کا کرایہ امجد مرزا نے 70.440 پونڈ اپنے جیب سے ادا کئے جس کے لئے تمام موجود شرکاء نے ممبر سازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ امید ہے آئندہ آنے والے مشاعروں میں بھی مزید لوگ ممبر سازی میں حصہ لیں گے ۔ چار بجے یہ خوبصورت ادبی شام اختتام پذیر ہوئی جس میں آخر تک چائے کیک بسکٹوں سے شرکاء لطف اندوز ہوتے رہے ۔

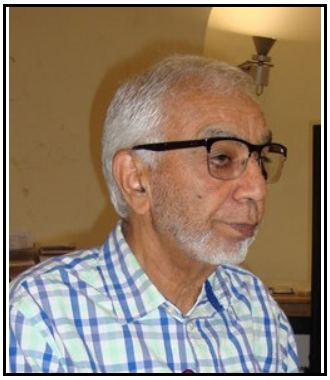
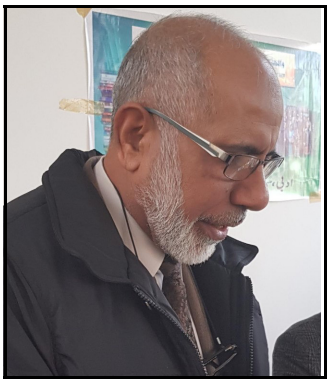

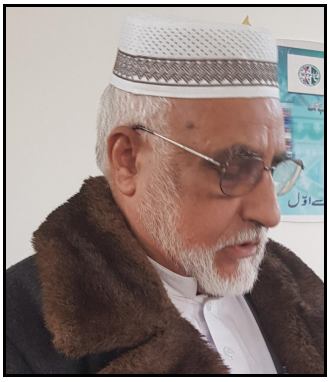

اخلاق عالیہ کی تعلیم اور حسنِ سلوک

مبشر شہزاد، گلاسگو

آج جو تلخ ہے بے شک وہی کل شیریں ہے
سچ کسی نے ہے کہا ''صبر کا پھل شیریں ہے''
لب خاموش کی خاطر وہ لب کھولتا ہے
جب نہیں بولتا بندہ تو خدا بولتا ہے (در عدن)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیں۔ اتفاق سے اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے اور (اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے اور حضرت ابوبکرؓ کے صبر اور خاموشی پر) آپ متعجب ہو کر مسکرا رہے تھے پھر جب وہ آدمی انتہا کو پہنچ گیا اور گالیوں سے رکنے ہی میں نہ آتا تھا تو ابو بکر نے بھی کچھ جواب دیا اس پر آنحضرت ﷺ کچھ ناراض ہو کر وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس سے اس قدر پریشانی ہوئی۔ چنانچہ وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور عرض کی یارسول اللہ (یہ کیا بات ہوئی کہ وہ مجھے گالیاں دیتا رہا تو آپ وہاں تشریف فرما رہے لیکن جب تنگ آ کر کچھ میں نے جواب دیا تو حضور ﷺ ناراض ہو کر اٹھ آئے؟۔۔۔۔۔ فرمایا بھئی جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا لیکن جب تم نے خود جواب دینا شروع کر دیا تو وہاں سے فرشتہ چلا گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا۔ (تا کہ لڑائی کو آگے بڑھا دے)۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اے ابوبکرؓ! (یاد رکھیے) تین باتیں بالکل درست اور برحق ہیں پہلی یہ کہ جب بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے مگر وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے درگزر کرے اور انتقام نہ لے عزوجل اس کے بدلے اس کی خوب خوب مدد فرمائے گا۔ اور دنیا اور آخرت میں اسے عزت دے گا۔ دوسری بات یہ کے کے جو شخص صلہ رحمی (یا عام اسلامی تعلقات استوار کرنے کے لئے) دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دے گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ (جو شخص ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) اپنی دولت، جائیداد اور معیار زندگی بڑھانے کے لئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو قلت اور کمی میں ہی مبتلا رکھے گا۔ (مشکوۃ صفحہ 423)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک واقع بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول میں اپنے خادم ملازم اور نوکر مرد و عورت یا بچے) کی غلطی سے کتنی دفعہ درگزر کروں؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اس نے پھر یہی بات عرض کیا۔ یارسول اللہ میں اپنے نوکر کو کتنی دفعہ معافی دوں اب آپ نے ﷺ ارشاد فرمایا ہر روز 70 دفعہ مطلب یہ کہ... ماتحتوں سے درشتی سختی کی بجائے بکثرت ملاطفت عفو و درگزر کا معاملہ کیا جانا زیادہ بہتر ہے۔

(مشکوت صفحہ بحوالہ جامع ترمذی)

حسن سلوک: قرآن کریم تسخیر قلوب کا نسخہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ (حم السجدہ۔36-35)

ترجمہ کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی اور تو برائی کا جواب نہایت نیک سلوک سے دے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جس کے اور تیرے درمیاں عداوت پائی جاتی ہے۔ وہ تیرے حسن سلوک کو دیکھ کر ایک گرم جوش دوست بن جائے گا۔ اور باوجود ظلموں کے سہنے کے اس قسم کی توفیق صرف انہی کو ملتی ہے جو بڑے صبر کرنے والے ہوں۔ یا پھر انہی کو ملتی ہے جن کو خدا کی طرف سے نیکی کا ایک بڑا حصہ ملا ہو۔

حسن سلوک انسان کو وہ طاقت اور کشش عطا کرتا ہے جس سے وہ دلوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ ایک میٹھا بول بعض اوقات مایوس اور شکستہ دل انسان کو تازہ ولولہ عطا کر دیتا ہے۔ ہمت افزائی کا ایک جملہ حوصلوں کو بلند اور عزائم کو جوان کر دیتا ہے۔ یہ سب حسن سلوک کے گوشے ہیں۔ اگر بڑے سے بڑا آدمی اس سے محروم ہے تو سمجھئے کہ وہ انسانیت کے حقیقی جوہر سے محروم ہے۔ اور کبھی خوشی اس کے قریب نہیں آئی۔ مسکراتا ہوا چہرہ حسن اخلاق کا بہترین مظہر ہے۔ کسی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر بشاشت کا آجانا اس پر آپ کی توجہ اور

اس سے آپ کے تعلق خاطر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور یہ بھی حسن سلوک ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کے ملنے سے آپ کو خوشی ہوئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی کے لئے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔ اس لئے تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئیں دوسروں کی ہمت افزائی کریں اور اپنے افعال سے ظاہر کریں کہ آپ ان کی قدر کرتے ہیں۔ گفتگو ہمیشہ مسکراہٹ اور دوستانہ ماحول میں شروع کی جائے تو مخاطب پر اس کا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ محبت آمیز رویہ سخت ترین دشمن کو بھی اپنا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اگر کسی کے دل میں آپ کے لئے بغض و عناد موجود ہے تو اس عناد کو محبت کی تلوار ہی ختم کر سکتی ہے۔ محبت اور مروت ہمیشہ دشمنی اور عداوت پر فتح پاتی ہے۔

درگزر:: آپس کی غلطیوں کو درگزر کیا کرو کیونکہ درگزر نہ کرو گے تو محبت ختم ہو جائے گی۔ جب محبت ختم ہوگی تو رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ جب رابطہ ٹوٹ جائے گا تو فاصلہ ہو جائے گا اور یہی فاصلہ ایک دن تمہارے رشتے کو توڑ دے گا۔ (حضرت علیؓ)

عمدہ عادتیں:: آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پروردگار نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے میں ان کا تم کو حکم دیتا ہوں۔

1۔ مجھے پوشیدہ اور ظاہری اخلاص کا حکم دیا ہے۔

2۔ خوشدلی اور غصہ میں انصاف کرنے کا۔

3۔ فراخی و تنگی میں میانہ روی کا۔

4۔ اور اس کا جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔

5۔ جو مجھ سے قطع قرابت کرے میں اس سے میل جول کروں۔

6۔ جس نے مجھے محروم رکھا میں اس کو عطا کروں۔

7۔ اور یہ کہ میرا خاموش رہنا غور و فکر ہو۔

8۔ بولنا ذکر الٰہی ہو۔

9 اور دیکھنا عبرت ہو

نیکی کی باتیں لوگوں تک پہنچائیں:

آنحضرت نے فرمایا جو میری بات دوسرے لوگوں تک پہنچائے گا قیامت کے دن جنت میں اس کے لئے مقام میرے ذمہ ہے ہمیشہ یاد رکھیں: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر چاہتا ہے اس کو دین کی بصیرت دیتا ہے یعنی احکام جاننے والا بناتا ہے۔

حاصل مطالعہ شاہین سانگلوی حقیقی کامیابی

4 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ پیشاب کپڑوں میں نہ نکلے۔

8 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ گھر جانے کا رستہ آتا ہو۔

12 سال کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ دوست احباب ہوں۔

18 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ گاڑی ڈرائیو کرنی آتی ہو۔

23 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ اچھی ڈگری حاصل کر لی ہو۔

25 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ کوئی اچھی نوکری مل گئی ہو۔

30 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ بیوی بچے ہوں۔

35 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ مال و دولت پاس ہوں۔

45 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ اپنا آپ جوان لگے۔

50 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ بچے تمہاری اچھی تربیت کا صلہ دیں۔

55 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ ازدواجی زندگی میں بہار قائم رہے۔

60 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ اچھے سے گاڑی ڈرائیو کر سکو۔

65 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ کوئی مرض نہ لگے۔

70 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ کسی کی محتاجگی محسوس نہ ہو۔

75 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ تمہارا حلقہ احباب ہو۔

80 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ گھر جانے کا رستہ آتا ہو۔

85 برس کی عمر میں.... کامیابی یہ ہے کہ کپڑوں میں پیشاب نہ نکل جائے۔

جہاں سے انسان چلا اب تک وہیں پہ پہنچ گیا۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (یٰس-68)

اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم اُلٹ ہی دیتے ہیں کیا (یہ حالات دیکھ کر) انہیں عقل نہیں آتی۔

ایسی ہی ہے یہ دنیا۔ لہٰذا دنیا کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اپنی آخرت کی فکر کریں کیونکہ آخرت کی کامیابی ہی حقیقی کامیابی ہے۔

عبدالکریم قدسی

فن وقدر کا ایک عظیم مقبول روایتی شاعر

ہیں اک عظیم شاعر عبد الکریم قدسی
اور فکر و فن میں ماہر عبد الکریم قدسی
دل میں محبتوں کا اک ہے خزینہ بھاری
ہر شعر سے ہے ظاہر عبد الکریم قدسی

(مبشر شہزاد)

شاعر کے بارے:

نام: عبدالکریم قدسی۔ والد کا نام: میاں اللہ دتہ

تاریخ پیدائش: 6 جون 1948ء موضع کرتو ضلع شیخوپورہ۔

تعلیم: میٹرک، پنجابی فاضل۔ ادبی سفر کا آغاز: 1968ء

ادبی شناخت: شاعر، افسانہ نگار، کہانی کار، سفرنامہ نگار، گیت نگار

پنجابی کتب: پیڑ دے پتھر (آزاد نظمیں) 1977ء سردل (غزلاں)، برہوں دی رڑک (گیت) ۲۰۰۲ء۔ ہنگال (ٹپے، ماہیے، بولیاں، چو مصرعے)، پاسکو (غزلاں نظماں، گیت) پکھیرو بال ادب نمبر 2006ء، منظوم پنجابی ترجمہ ''القصید''، قلم کبوتر (دوستاں نوں لکھے گئے منظوم خط)

اُردو کتب: اے میرے پیارے امام (غزلیں نظمیں)، رزق خیال (غزلیں، نظمیں) آداب ہجر (غزلیں نظمیں)، دستِ منور (غزلیں نظمیں) اشک رواں (غزلیات)

ایوارڈ:: پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ، مسعود کھدر پوش ایوارڈ، پی ٹی وی ایوارڈ برائے گیت کار۔ حرفِ نو ایوارڈ برائے پنجابی غزل۔

وابستگی: روزنامہ امروز، روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ مشرق، روزنامہ مغربی پاکستان، روزنامہ مساوات ہفت روزہ لاہور، تخلیق۔

ماہنام تحریریں، نصرت، لہراں، پنجابی ادب، سویرا انٹرنیشنل، میری بولی میرا دھرم۔

محترم عبد الکریم قدسی صاحب کو جو ایوارڈ ملے میں اُس میں پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ کی تقریب میں دیا جانے والا آدم جی ایوارڈ بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس ایوارڈ کے تفصیل اور عبدالکریم قدسی صاحب کو دئے جانے کے

حوالہ سے ایک یادداشت اور خوبصورت واقعہ درج ہے۔

پاکستان رائٹرز گلڈ کا قیام ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ کو قدرت اللہ شہاب اور جمیل الدین عالی کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ رائٹرز گلڈ کے پہلے سیکریٹری اشفاق احمد خاں پھر سید وقار عظیم، قتیل شفائی، ڈاکٹر وحید قریشی، میرزا ادیب، ڈاکٹر رشید انور، محمد طفیل، ارشد میر، جاوید طفیل اور حفیظ صدیقی بطور سیکرٹری گلڈ کام کرتے رہے۔ آج کل اقبال صلاح الدین اس کے سیکرٹری ہیں۔ ۲۵ سال قبل گلڈ کے پلیٹ فارم سے آدم جی انعام، نیشنل بنک انعام اور کئی دوسرے انعام دیئے جاتے تھے۔ پھر بوجود یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب دوبارہ انعامات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ جو فی الحال پنجاب کی سطح تک ہے۔

سال 2001ء میں شائع شدہ پنجابی کتابوں پر ایوارڈ کی تقریب:

جناب عبدالکریم قدسی کو ان کے شعری مجموعہ ''سردل'' پر اور جناب افضل احسن رندھاوا کو ان کے ناول ''پندہ'' پر انعام دیا گیا۔ انعام ایک خوبصورت شیلڈ، سرٹیفکیٹ اور ڈھائی ہزار روپے نقد پر مشتمل تھا۔ (ان دونوں کتابوں کو مسعود کھدر پوش ایوارڈ بھی مل چکا ہے،) اس سلسلہ میں ایک پروقار تقریب مورخہ 7 اگست 2003ء کو الحمرا ہال نمبر 3 لاہور میں منعقد کی گئی جس کی صدارت صوبائی وزیر ثقافت و امور نوجوانان چوہدری شوکت علی بھٹی نے کی۔ تلاوت کے بعد تیمور افغانی نے عارفانہ کلام سنایا۔ اس کے بعد جاوید طفیل مدیر نقویش نے سپاسنامہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا پاکستان رائٹرز گلڈ نے 25 سال کے تعطل کے بعد انعامات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان کے بعد

شفقت تنویر مرزا، بیدار سرمدی اور بشیر احمد بھٹی نے حاضرین سے خطاب کیا۔ مقررین نے کہا کہ اہل قلم ہنگاموں سے دور رہنے والا پُرامن طبقہ ہوتا ہے اور ان کے لئے حکومت کی طرف سے مراعات ملنی چاہئیں۔

وزیر ثقافت چوہدری شوکت علی بھٹی نے بھی دانشوروں کی فلاح و بہبود کے لئے مراعات دینے کا وعدہ کیا۔تقریب کی خاص بات نامور شاعر اور کالم نگار اعزاز احمد آذر کی نظامت کی۔ انہوں نے برمحل اشعار، واقعات اور دانشورانہ گفتگو سے حاضرین کو اپنی گرفت میں لئے رکھا۔عبدالکریم قدی کو ایوارڈ کے لئے بلانے سے قبل انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ پنجاب اور پنجابی ادب کے مایہ ناز شاعر ڈاکٹر جگتار امریکہ میں اپنے شاگرد کے پاس گئے اس نے ڈاکٹر صاحب سے فرمائش کی کہ مجھے پاکستان کے کسی ایسے پنجابی شاعر سے فون پر ملوایئے۔ جو بہت تیکھے اور کٹیلے شعر کہتا ہو۔ڈاکٹر جگتار نے قدسی صاحب کا نمبر ملایا اور کہا کہ میرے شاگرد کلوندر سے بات کریں اور اسے کوئی اچھی غزل سنائیں۔قدسی صاحب نے کلوندر سے کہا بھائی اس وقت پاکستان میں رات کے گیارہ بجے اور لوڈ شیڈنگ ہے۔اور مجھے کوئی مکمل غزل یاد نہیں۔ البتہ ایک تازہ شعر سُن لیں اور وہ شعر یہ تھا۔

لُوں لُوں قرض گروی پایا عزت مٹی ہو گئی
اکّو سال دے اندر اندر داڑھی چٹی ہو گئی

(یعنی قرضے نے میرا بال بال گروی رکھ کر میری عزت خاک میں ملا دی ہے اور اس غم کی وجہ سے میری سیاہ داڑھی صرف ایک سال میں سفید ہوگئی ہے) کلوندر شعر سن کر اتنا خوش ہوا کہ اس نے کہا کہ بس بس قدسی صاحب دیگ میں سے ایک دانہ دیکھنا ہی کافی ہوتا ہے اور اگلے ہفتے اس نے ایک سو ڈالر کا چیک بطور نذرانہ قدسی صاحب کو بھجوایا۔ دونوں انعام یافتگان نے حاضرین اور رائٹرز گلڈ کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح ہی سادہ مگر پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچا۔

عبدالکریم قدسی صاحب کے بارے میں دانشوران ادب کے رائے

(1) بھارت کے مشہور شاعر پروین کمار اشک پٹھانکوٹ پنجاب، انڈیا عبد الکریم قدسی صاحب کے بارے میں بعنوان ''عبدالکریم قدسی ایک انسان نواز شخصیت'' تحریر کرتے ہیں کہ

قارئین! کیا آپ نے بھی زخموں کا لباس اوڑھے کسی خانماں برباد فقیر کو اپنے گم شدہ گھر کا پتا ڈھونڈتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں ناں؟ یہ خانہ بدوش اللہ کا بندہ عبدالکریم قدسی ہے۔جس کے پورے وجود پر سیاسی درندوں اور مذہبی ٹھیکے داروں نے احساساتی طور پر اتنے کوڑے برسائے کہ اس کو گھر بار چھوڑ کر اپنی زمین سے کوسوں دور پرائے ملکوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا:

ہمارا گھر بھی جلا اور ہمیں سزا بھی ہوئی
ہمارے عہد کے منصف بھی دل دکھا کے چلے
گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا

اپنی بدحالیوں کا خونچکاں منظر نامہ قدسی صاحب اتنی شدت سے پیش کرتے ہیں کہ قاری بے ساختہ اداس ہو کر ان کا ہمدرد بن جاتا ہے:

ظالم گنے نہ لوٹنے والے گنے گئے
لیکن ہمارے منہ کے نوالے گنے گئے
گھر میں رہ کر سفر میں رہتا ہوں
یہ سفر مدتوں سے جاری ہے
سانحہ کیا ہوا دسمبر میں
جون میں بھی ٹھہرے ٹھہرے رہنا

زمینی بدعنوانیوں کے شکار عبدالکریم قدسی فرماتے ہیں:

لوگوں نے مل کے وقت کو تسخیر کر لیا
اور ہم ہیں ذات پات کے قیدی بنے ہوئے

عہد حاضر میں برپا دہشت گردانہ انسان کشیوں کی وارداتی تصویر طنزیہ دردناک اسلوب میں دیکھئے:

ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے
تازہ لہو سے صحن، معابد سجا دئے

اجنبی ملک میں زندگی کیسے بسر ہوتی ہے حساس فنکار بیان کرتا ہے۔

یہ فضا یہ راستے نا آشنا
میں نے جانا تھا کہاں، آیا کہاں

ایک ملک بدر کی کربناکی موثر انداز میں کتنے زاویوں سے عیاں ہو رہی ہے۔

مجاور بھی انہیں کیوں یاد رکھیں
کہ جن کی قبر پر کتبے نہیں ہیں

ایک شریف النفس مفلس کی معاشی تنگدستی اس کو خون کے آنسو کیسے رلاتی ہے۔ملاحظہ کریں:

لئے جو دھوپ میں چھاؤں کے قرضے
رُتیں گزریں ابھی تیرے نہیں ہیں

مندرجہ بالا حیات کش فضاؤں میں بھی عبدالکریم قدسی انتہائی مضبوط آہنی ارادوں اور پُرامیدوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

اگر چہ خشک ہیں اور ختم ہونے والے ہیں
یہ کم نہیں کہ میسر ابھی نوالے ہیں
گلستاں چھوڑنا شکست نہیں
ابھی بھی کانٹوں میں چٹک جاری ہے
دھوپ کیسی بھی تھی مگر ہم نے
سر سے پگڑی نہیں اتاری ہے
سفر میں رہنا نہ شکوہ گلہ کوئی کرنا
یہ مشقِ ظرف تو آب رواں سے آتی ہے

عبدالکریم قدسی صاحب کی تجرباتی شاعری اور انسان نواز شخصیت مجھے دونوں عزیز ہیں۔ خدا ایسے نیک فنکار کو صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ رکھے۔ آمین۔ مجھے یقین ہے ان کا آمدہ غزلیہ مجموعہ اپنی انوکھی معنویت اور شعری صداقتوں کی بدولت پزیرائی حاصل کرے گا۔ آمین۔

(3) مشہور شاعر اسحاق ساجد صاحب آف جرمنی عبدالکریم قدسی صاحب

کی کتاب ''اشکِ رواں'' پر تبصرہ لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

عبدالکریم قدسی صاحب کا مجموعہ ''اشکِ رواں'' زیر نگاہ ہے۔ روایت نوازی اور ندرت شہاری کے آثار مشترک سے ان کا خمیر تیار ہوا ہے ان کے یہاں معتدل روے کی وہ شاعری جسے کلاسیکٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا سراغ بھی ہے اور ترقی پسند یا جدیدیت کا شائبہ بھی مگر یہ آمیزش وہ نہیں ہے جس کی تحریک سے تعبیر کیا جائے بلکہ شاعر کی ذات خود تحریک ساز ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا شاعر وہ سب وہ ہے جس کی موجودہ نظام کو احتیاج ہے۔ اُردو اس پت چھڑ میں کہیں کہیں جو پتے سرسبز موسموں کی قسم کھا رہے ہیں عبدالکریم قدسی ان میں سے ہیں۔ سخن دانی کو باوقار رکھنے میں عبدالکریم قدسی کا بھی ایک رول ہے۔ ان کی منظومات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بہت سے شعراء عوام کو متوجہ کرنے کے لئے لفظی کرتب بازی کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں لیکن قدسی صا نے غزل کو اس اذیت سے بچانے کی کوشش کی ہے جو مستحسن ہے۔ ان کی غزلوں میں جو ایک دل لبھانے والی ادا ہے وہ ان کی تحریری سلاست اور سادگی خیال کی دین ہے۔ موجودہ سیاست کی روش پر بھی جہاں ان کی نظر گئی ہے وہاں کوئی سبک لطیف اشارہ خوبصورتی سے ادا ہو گیا ہے۔

عبدالکریم قدسی کی بیشتر غزلیہ شاعری کسی بھی قسم کی آلودگی سے پاک نظر آتی ہے اور اسی لئے وہ دلکش و دل پزیر کہے جانے کی مستحق ہے۔

(4) ڈاکٹر عبدالکریم خالد ہمارے زمانہ کے ایک مشہور ادیب ہیں۔

آپ محترم عبدالکریم قدسی صاحب کے بارے میں بعنوان ''عبدالکریم قدسی کی سخن سرائی۔ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

میرے عہد میں شاعری کا چلن اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر کس و ناکس ادھر کا رُخ کیے ہوئے ہے۔ میرے دوستوں اور ملنے والوں میں اکثر شاعر ہیں اور جو ہیں ہیں وہ بھی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ایک آدھ شعر ہی سہی، ان کے کھاتے میں بھی پڑ جائے تا کہ وہ بھی شاعروں کی طرح عزت پائیں اور محفلوں کی رونق بڑھائیں۔ غالب نے تو اپنے باپ دادا کی سپہ گری پر ناز کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ''کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے'' گر انہوں نے عزت شاعری ہی کے ذریعہ پائی اور ہر زمانے پر غالب رہے۔ خیر غالب کی بات اور تھی انھوں نے اسلوب کی شاعری کی شاعری کا ایسا سانچہ بنا دیا کہ آنے والوں کے لیے اس سے آگے بڑھنا تو ایک طرف رہا، خود کو اس میں فٹ کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ اقبال نے بھی جو رنگ پکڑا اس پر مزید رنگ جمانا بچوں کا کھیل نہیں۔ فیض اور فراز نے قبول عوام کی شاعری کی۔ ''گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے'' اور ''آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ'' کیفیات اور محسوسات کی شاعری کوئی ان شاعروں سے سیکھے۔ ان کے بعد بہت سی نئی آوازیں اُبھریں۔ میں ایک ہی سانس میں بہت سے نام لے سکتا ہوں۔ ثروت حسین، جمال احسانی، افضال احمد سید، صابر ظفر، غلام حسین ساجد، غلام محمد قاصر، پروین شاکر، شاہدہ حسن محمد اظہار الحق، محمد خالد۔ یہ لوگ ایک گم ہوتی ہوئی تہذیب کا علَم تھام کر نکلے اور بات کو ایک نئے ڈھنگ سے کہنے کا ہنر آزمایا۔ یہ سب ستر کی دہائی کے لوگ ہیں۔ اسی زمانے میں لاہور کے گلی کوچوں میں ابھی وہ لوگ زندہ تھے جو ادبی بیٹھکوں کو آباد کئے ہوئے تھے۔ استادی اور شاگردی کا تعلق بنانے اور اسے نبھانے کا سلسلہ قائم تھا۔ آج کا شاعر تو اس نوع کے سلسلوں سے آزاد ہے مگر اس زمانے میں ابھی آنکھ میں حیا

باقی، وفا شعاری عام تھی، اہل دل مصلحتوں کے اسیر نہ تھے، ایک لگن اور تڑپ تھی جو ہمہ وقت بے تاب رکھتی تھی۔ اچھا شعر سننے کو مل جاتا تو سینہ بہ سینہ چلتا ہوا شام تک آدھے شہر تک پہنچ جاتا۔ میرے دوست عبدالکریم قدسی اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ ایسے کئی شعر عبدالکریم قدسی کی زبانی مجھ تک پہنچے اور دل میں ترازو ہو گئے۔ ویسے تو میں انھیں ستر کی دہائی کے شاعروں میں ہی شمار کرتا ہوں لیکن وہ ستر کی دہائی میں نمایاں ہونے والوں سے یوں مختلف ہیں کہ انھیں ان استاد شاعروں کا پانی بھرنے کا شرف بھی حاصل ہوا جن کی صحبت میں بیٹھنا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ساغر صدیقی، استاد دامن، ثاقب زیروی، شرقی بن شائق، اقبال صلاح الدین اور دیگر کئی استادوں سے تھپکی لے کر میدان میں اترے تو کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ ان کی سخن سرائی کا سلسلہ 1968ء میں آغاز ہوا اور آج 2021ء میں ترپن برس گزر جانے کے بعد بھی اول روز کی تروتازگی لئے ہوئے قائم ہے۔ ان ترپن برسوں میں وہ مسلسل تازہ دم رہے اور ایک لمحے کے لئے بھی ان میں پژمردگی اور اضمحلال کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ عبدالکریم قدسی کو میں ایک بڑا شاعر ہی نہیں، استاد شاعر مانتا ہوں۔ وہ شاعری کی رمزوں اور اس کی باریکیوں کا نہ صرف ادراک رکھتے ہیں بلکہ اس کے وسیع تر امکانات کی خبر بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے رواروی میں شاعری نہیں کی، نہ ہی وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو یہ سوچ کر مصرعہ بناتے ہیں کہ بازار سخن میں اس کے کتنے دام ملیں گے۔ وہ حساب سود وزیاں رکھنے والے شاعر ہوتے تو انہوں نے اردو اور پنجابی زبان میں جس تسلسل اور توانائی سے لکھا ہے، آج سخن وری کے میدان میں کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے لیکن ان میں ایک خرابی ہے کہ انہوں نے خود پر جو رنگ چڑھایا ہے اُسے کاٹنے والا نسخہ ابھی تک ایجاد نہیں ہو سکا۔ جو بات کی ہے اس سے کرنے کی راہ نہیں رکھی۔ جو اُسلوب تراشا ہے اس میں کہنے والا کوئی دوسرا نہیں رکھا۔ شاعری کو ایک سنجیدہ عمل کے طور پر اختیار کیا ہے اور اسے ایک سنجیدہ عمل ہی رہنے دیا۔ مشاعروں میں شاعری سنانے کے لیے پیسوں کا تقاضہ نہیں کیا ہاں اگر کوئی فن کا قدر دان مل گیا تو انکار نہیں کیا۔ شاعری کے ایک سے بڑھ کر ایک سوداگر پڑے ہوئے ہیں مگر کسی سوداگر کے ہاتھ پر بکنا گوارا نہیں کیا۔ جھکنا تو بڑی بات ہے کسی کی ہاں میں ادنی سی ہاں ملانا بھی قبول نہیں کیا۔ شاعر کی ایک آنا ہوتی ہے جسے وہ کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوتا۔ بہت سے تو اپنی انا کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں جسے موقع بہ موقع گروی رکھ چھوڑنا ان کے لئے ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ عبدالکریم قدسی کی انا ان کے کیسے میں بند ہوتی ہے جسے انہوں نے یوں مٹھی میں دبایا ہوتا ہے جیسے کوئی اسے چھین کر لے جائے گا۔ ایک دو موقعوں کا میں خود گواہ ہوں جب وہ محاورتاً نہیں بلکہ اصل معنوں میں آگ بگولا نظر آئے۔ اور اپنی انا کے مقابل اٹھنے والے کو چت کر کے چھوڑا۔

دوستوں کے دوست ہیں اور دوستی نبھانے کا گُر جانتے ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات ستر کے عشرے میں ہوئی۔ ان کے کان میں پھٹک پڑی کہ میرا بھی شعر وادب سے تعلق ہے تو خود ملنے چلے آئے۔ تب جو تعلق قائم ہوا وہ آج تک ڈھیلا نہ ہونے دیا۔ خود میری سخن طرازی کے پیچھے عبدالکریم قدسی نہ کھڑے ہوتے تو شاید میں یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دیتا۔ ان کے مسلسل ہمت والا نے اور حوصلہ افزائی کے سب میں کچھ کہنے کے سبب ہوا۔ ان کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسے اس سے مختصر میں سمونا ممکن نہیں۔ یہ تفصیل ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا عبدالکریم قدسی ی شاعری کو پچاس برس ہونے کو آئے ہیں۔ اس دوران میں انہوں نے خوب جم کر شاعری کی۔ ان کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہو چکے ہیں۔ ان کی پنجابی شاعری کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ بھارت میں بھی بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے مداحین اور چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد بھارت میں موجود ہے۔ پنجابی زبان وادب کے ناقدین نے انہیں پنجابی شاعری کی مین سٹریم (Main Stream) میں شامل کر رکھا ہے۔ پنجابی شاعری کی کوئی تاریخ اور تذکرہ ان کے نام اور ذکر کئے بغیر مکمل نہیں۔ اردو شاعری میں بھی ان کا مرتبہ کم نہیں۔ عبدالکریم قدسی محنت اور تجربے پر یقین رکھتے ہیں۔ شاعری ایک یا دو دن کا قصہ نہیں، اس میں تواتر کے ساتھ جی کو جلانا پڑتا ہے۔ شاعری پھولوں کی وہ کیاری ہے جسے خون جگر سے سن کر ہی آپ خوشبوؤں اور رنگوں کی حسن کاری کر سکتے ہیں ''اشک رواں'' کی غزلیں اس حسن کاری کی خوب صورت مثال ہیں۔ شاعر کی فن کاری غزل ہی میں کھلتی ہے کہ شعر کے دو مصرعوں میں اسے ایک جہان معنی دکھانا ہوتا ہے۔ غزل میں پاؤں جما کر کھڑے ہونا مشکل امر ہے لیکن عبدالکریم قدسی ثبات قدم کے ساتھ اس منطقے میں سربلند نظر آتے ہیں۔ بہت سے شاعر ایسے ہیں جو غزل کے مصرعوں پر زور آزمائی اور خیال سے ہاتھا پائی کرتے نظر آتے ہیں شعر کہہ بھی دیا تو ایک انچ کی کسر رہ گئی۔ مگر

عبدالکریم قدسی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ وہ بڑی سہولت اور نرمی کے ساتھ شعر کہتے ہیں۔ وہ لفظوں سے ہم آہنگ کر کے خیال کو اس طور گرفت میں لاتے ہیں کہ چند ثانیے میں شعر کے خدوخال بننے لگتے ہیں اور اپنے عہد کی ایک مکمل تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہ شاعر کے دستِ ہنرشناس کا کمال ہے کہ جس خیال کو چھوا، اسے تصویر کر دیا۔

عبدالکریم قدسی جس عہد میں کارِ سخن انجام دے رہے ہیں۔ اس کی کوئی گل سیدھی نہیں۔ سیاسی، سماجی اور اخلاقی حوالے سے نظام زندگی درہم برہم ہو چکا ہے۔ ایسے میں شاعر کے خیالات اور محسوسات ایک کرب انگیز صورت حال کی تصویر کشی ہی نہیں کرتے، پڑھنے والے کے احساس اور کیفیت پر تازیانے کا حکم بھی رکھتے ہیں۔

جہاں بھی عدل کی پگڑی کوئی اچھالے گا
یہ وقت اس کی رعونت پہ خاک ڈالے گا
زمانے سے گلے شکوے نہیں ہیں
میرے اپنے اپنے نہیں ہیں
کانٹے ہیں جس طرف بھی نظر کر رہے ہیں ہم
چھلنی ہیں پاؤں پھر بھی سفر کر رہے ہیں ہم
ہر شب کو شب کہا ہے سرِدار بارہا
آساں نہیں یہ کام مگر کر رہے ہیں ہم
افسانہ حیات کے عنوان لٹ گئے
انسان ہی کے ہاتھ سے انسان لٹ گئے

ان اشعار کے تناظر میں پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عبدالکریم قدسی نے اپنے زمانے کے ہر پست و بلند کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کا شعوری احساس انہیں اپنے عہد کی منافقتوں، رزالتوں، چیرہ دستیوں اور ستم ظریفوں کی وہ تصویر دکھاتا ہے جسے عام آنکھ شاید زیادہ گہرائی سے نہ دیکھ سکے۔ عبدالکریم قدسی نے غزل کے روایتی مضامین کو بھی اس سلیقے اور قرینے سے پیش کیا ہے کہ ان میں جدت اور ندرت پیدا ہو گئی ہے۔ خیال کوئی بھی ہو، عبدالکریم قدسی کی ہنرمندی اس کے ایسے ایسے پیکر تراشتی ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

خالی کر دے نہ میری آنکھوں کو
آنسوؤں کا بھرے بھرے رہنا
ایسے براجمان ہے وہ دل کے تخت پر
جیسے کہ حسنِ شعر میں بندش خیال کی
مجھ کو اظہارِ غم دل کی ضرورت ہی نہیں
میرے صورت مرے حالات کی غماز بھی ہے

عبدالکریم قدسی کی غزل جہاں ان کے عہد کی آواز بن کر سامنے آتی ہے وہاں ان کے دل کی سرگوشیوں کو اشاروں کی زبان میں پیش کرتی ہے۔ انہوں نے غم دوراں اور غم جاناں کو یوں ہم آمیز کیا ہے کہ یہ دونوں غم بجائے خود ایک دوسرے کے لئے آئینہ بن گئے ہیں۔ انہوں نے منفرد انداز میں خیال کو نیا لہجہ اور لفظ کو نئے معانی عطا کئے ہیں۔

شاعری کے ساتھ ان کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ ان کی ریاضت اور محنت نے اس رشتے کو ناقابل شکست بنا دیا ہے۔

تحریر و بیان، لہجہ و الفاظ سے قدسیؔ:

آداب زبان صرفِ سخن کرتے رہیں گے

میں عبدالکریم قدسی کو بجا طور پر ان شاعروں میں شمار کرتا ہوں جن کے دم سے شاعری کی آبرو قائم ہے۔ ان کی اس بات کو آپ لاکھ تعلّی کہیں، مگر بات انہوں نے خدا لگتی کہی ہے۔

مجھ سے ملا ہے حسن معانی کو ایک وقار
وہ میں کے جس سے لفظ کی عظمت بحال ہے

(5) پروفیسر ظہیر احمد ظہیر لاہور انگلش اکیڈمی لاہور بعنوان ''عبدالکریم قدسی.....ایک محنتی شاعر'' تحریر کرتے ہیں کہ

''شاعری ادب کی وہ صنفِ سخن ہے جس میں شعور کی باتیں کرنے والا ہی شاعر کہلاتا ہے جو کہ اپنے وقت اور زمانے کا نہایت ذہین اور عقل مند انسان ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ حالات و واقعات کا مشاہدہ و تجربہ کر کے اپنی قوم و ملت کے لئے دانش مندی کے فیصلے سناتا ہے بلکہ ماضی کی غلطیوں اور حال کے تجربوں کو سامنے رکھ کر مستقبل کی راہیں متعین کرتا ہے۔

عبدالکریم قدسی کا شمار بھی ایسے شاعروں اور دانشوروں میں ہوتا ہے جن کی شاعری میں انسانی کرب اور حالات کے جبر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ایسے شعرا فطرت کے عکاس ہوتے ہیں۔ عبدالکریم قدسی ایک فطری شاعر

ہیں جن کی ڈیوٹی صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ ان تمام دکھوں اور تکلیفوں سے معاشرے کو روشناس کرائیں جو معاشرتی اعتبار سے معاشرتی رویوں اور ان کے چہرے پر ایک کوڑھ کی علامت ہوتے ہیں۔

عبدالکریم قدسی کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ''امید'' ہے وہ اپنے قاری کو کبھی بھی نا امید نہیں ہونے دیتے بلکہ اسے ایک فلسفی کے انداز میں دلیل کے ساتھ محنت کرنے پر اکساتے ہیں اور سہانے مستقبل کی نشان دہی کرتے ہیں۔عبدالکریم قدسی نے ہمیشہ محنت و مشقت کو اپنا شعار بنایا اور کبھی بھی اپنے ہونٹوں پر کسی شکوے یا گلے کو نہیں سجایا بلکہ سہانے مستقبل کی نوید سنا کر انسانی فطرت کو مطمئن ہونے پر مجبور کیا۔

عبدالکریم قدسی کی شاعری میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک استاد اور پختہ کار شاعر میں ہونی چاہئیں۔میرا اور عبدالکریم قدسی کا ساتھ تقریباً چالیس بیالیس سال سے ہے اس دوران میں نے کبھی بھی ان کی ذات کے اندر شاعرانہ غرور نہیں دیکھا بلکہ ایک مبتدی کی طرح ہمیشہ مشورہ کرتے ہوئے پایا۔آج اگرچہ قدسی صاحب کے بے شمار شاگرد ہیں لیکن قدسی صاحب نے کبھی بھی استاد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ عاجزی اور انکساری کو اپنی زندگی کا مطمحِ نظر بنایا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ عبدالکریم قدسی جس مقام کے حق دار ہیں وہ انہیں ملتا ہوا میں بھی اپنی زندگی میں دیکھوں۔عبدالکریم قدسی کے یوں تو بے شمار اشعار ایسے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں براجمان ہیں لیکن مجھے ان کے ایک شعر نے نہایت متاثر کیا جبکہ میں باقی اشعار کی طرف ابھی دھیان ہی نہ دے سکا۔

تم اپنے خیالات مجھے سونپ کر دیکھو
ہر شخص امانت میں خیانت نہیں کرتا

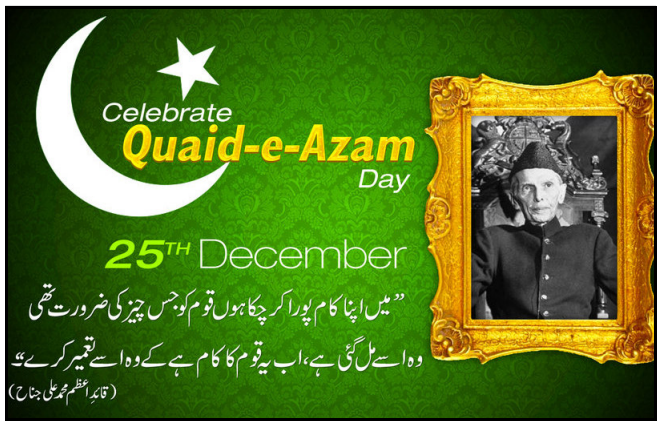

انگلینڈ میں مقیم چند پاکستانی پیر صاحبان کی معلوم دولت کا تخمینہ

(آف شور دولت اور ٹرسٹ اس میں شامل نہیں)

نمبر 1۔صوفی جنید نقشبندی Grandson صوفی عبداللہ نقشبندی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ گھمکول شریف، برمنگھم 132 ملین پاؤنڈ۔ پاکستانی 290 ارب تقریباً۔

نمبر 2۔پیر سلطان نیاز الحسن باہو، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلطان باہو، برمنگھم۔80 ملین پاؤنڈ، 176 ارب روپے تقریباً۔

نمبر 3۔پیر سلطان فیاض الحسن باہو، اسسٹنٹ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلطان باہو، برمنگھم 83 ملین پاؤنڈ، 183 ارب روپے تقریباً۔

نمبر 4۔پیر نور العارفین صدیقی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ نیریاں شریف، برمنگھم، 77 ملین پاؤنڈ، 170 ارب روپے تقریباً۔

نمبر 5۔پیر زادہ امداد حسین، مہتمم جامعہ الکرم نوٹنگھم، 76 ملین پاؤنڈ، 168 ارب روپے تقریباً۔نمبر 6۔پیر معروف حسین شاہ نوشاہی، آستان عالیہ نوشاہیہ بریڈفورڈ، 68 ملین پاؤنڈ، 150 ارب روپے تقریباً۔

نمبر 7۔پیر سید عبدالقادر جیلانی سابق خطیب ٹنچ بھاٹہ راولپنڈی، مہتمم دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن، 62 ملین پاؤنڈ، پاکستانی 139 ارب روپے تقریباً۔

نمبر 8۔پیر منور حسین جماعتی سجادہ نشین آستانہ عالیہ امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ برمنگھم، 60 ملین پاؤنڈ، پاکستانی 134 ارب روپے تقریباً۔نمبر 9۔پیر حبیب الرحمن محبوب، سجادہ نشین آستانہ عالیہ ڈھانگری شریف، بریڈفورڈ، 32 ملین پاؤنڈ، پاکستانی 71 ارب روپے تقریباً۔نمبر 10۔پیر عرفان مشہدی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ بکھی شریف بریڈفورڈ، پیر عرفان شاہ صاحب ان پیروں میں سب سے غریب ترین پیر ہیں کیونکہ ان کی دولت 2 ملین پاؤنڈ یعنی پاکستانی صرف 44 کروڑ روپے ہے۔مندرجہ بالا تمام دس پیر صاحبان کا تعلق پاکستان و آزاد کشمیر سے ہے۔جو برٹش نیشنیلٹی ہولڈر اور برطانیہ میں مقیم ہیں۔

طاہر القادری سمیت وہ تمام پیر صاحبان جنہوں نے اپنی دولت ٹرسٹ (این جی اوز) کے پردے میں چھپائی ہوئی ہے۔وہ اس لسٹ میں شامل نہیں۔نیز پاکستان میں مقیم جو پیر صاحبان سالانہ یہاں سے اربوں روپے کے نذرانے بٹورنے کے لیے تشریف لاتے ہیں وہ بھی اس لسٹ میں شامل نہیں۔مندرجہ بالا دس پیر صاحبان کی اجتماعی دولت سے کئی گنا زیادہ دولت کے مالک'' پیر ہاشم الگیلانی البغدادی'' ہیں، جو آستانہ عالیہ شیخ عبدالقادر جیلانی رح بغداد کے گدی نشین ہیں، یہ پیر صاحب بھی برٹش نیشنلیٹی ہولڈر اور مقیمِ برطانیہ ہیں۔جیسے پاکستانی نژاد برطانوی پیر کبھی کبھی پاکستان دورہ پہ تشریف لے جاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کبھی کبھی بغداد کے دورہ پہ تشریف لے جاتے ہیں۔

***

آفتاب شاہ

مذاق کرنے اور مذاق اُڑانے میں معمولی سا فرق ہے اور یہ معمولی سا فرق ہمارے معاشرے میں اتنا معمولی خیال نہیں کیا جاتا۔ جب مذاق پست ذہن کی پیداوار ہو تو ماں، بہن بیٹی کی عزت اُتار کر گالیوں میں ملبوس ہو جاتا ہے جہاں دوسرے فرد کے کردار کو جسمانی اذیت کا شکار کرتا ہوا تذلیل کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ اس تذلیل پر اُٹھنے والا قہقہہ بھی اسی تعفن زدہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے جو دوسرے افراد کی عزتِ نفس سے کھیل کر تسکین حاصل کرتا ہے۔ لطیف مذاق لبوں پر مسکراہٹ لے کر آتا ہے جبکہ طنز کی بدبو میں لپٹا ہوا فقرہ ہمیشہ دوسروں کے دل پر گھاؤ لگاتا ہوا گزرتا ہے جس سے کسی کا ظرف اور شرف دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مذاق محبت کے وجود سے مس ہو تو دل دکھنے کی بجائے جڑتے ہیں۔

۞

فنکار تب تک فنکار نہیں کہلاتا جب تک اپنے فن کی باریکیوں سے آشنا نہیں ہو جاتا یہ فنکاری اس کو شہرت اور عزت کا جام عطا کرتی ہے یہی فنکاری اپنے مقام پر ہو تو عزت و شہرت کا ڈنکا کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہی فنکاری جب زندگی کے مراحل سے گزرتی ہوئی رشتوں کی نازک ڈور پر وار کرتی ہے تو فنکار اور فنکاری ایک گالی کی طرح لگتے ہیں۔ کچھ لوگ زندگی کے اسٹیج پر ناکام اداکار اسی لیے کہلاتے ہیں کیونکہ وہ مکاری اور چالاکی کا ہنر اپنوں پر آزما کر عمدہ فنکار بننا چاہتے ہیں جبکہ یہ نہیں جانتے اپنوں سے فنکاری نہیں دلداری چلتی ہے۔

۞

تخلیق کی آنکھ مطالعہ کے آنگن میں کھلتی ہے۔ وسعتِ نظر کا عدسہ لگا کر جدت کے پھول پروتی ہے۔ زبان کے حسن کو دوآتشہ کرنے کے لیے فکر کا چمن واں کرتی ہے۔ رنگینیِ خیال کے فانوس سے ادائیگیِ الفاظ پر قدرت حاصل کرتی ہے۔ مشاہدے کے پھول سے مطالب کی مہک کا مزہ لیتی ہے۔ ندرت ادا کا سبق ہم عصر تخلیق کاروں سے لیتی ہے۔ قلم کی حدت کو خونِ جگر کا پانی پلاتی ہے۔ وقت کی راگنی کو اپنی حیات بناتی ہے۔ اور جب کوئی واہ کرتا ہے تو عاجزی کے چشمے سے گھونٹ بھر کر خامہ فرسائی کرتی ہے۔ تخلیق تب تک ممکن نہیں جب تک قلب کے آنگن میں خیال کا جگنو آزادی سے پرواز نہ کرے۔

۞

پوری دنیا میں نقل اور متاثر ہونے میں فرق روا رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام میں ادب کی ترویج پروان چڑھتی نظر آتی ہے جبکہ ہمارے ہاں ادب کا زوال اس وجہ سے کہ اول تو نئے خیال کو لوگ قبول نہیں کرتے اور اگر قبولیت مل بھی جائے تو سرقہ باز موقع سے فائدہ اٹھا کر پوری تحریر ہی اپنے نام سے شائع کروا دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے یہ کام کوئی ان پڑھ، جاہل، ریڑھی بان یا مزدور نہیں کرتا۔ یہ کام وہ نام نہاد پڑھے لکھے اور بزعم خود شاعر یا ادیب کرتے ہیں جو ادب کی خدمت چوری کے خیالات سے کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے ہمارے ہاں شعراء اور مصنفین کی تو بہتات ہے لیکن عالمی سطح کی تصنیف ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

۞

اصل بات دوسروں کے نقطہ نگاہ کو سمجھنا ہے نہ کہ کسی بھی بات کو اپنی نظر کے پیمانے پر پرکھنے کی ہے ایک کی کامیابی ضروری نہیں دوسرے کی جیت ہو اور ایک کی خوشی بعض اوقات دوسرے کا ماتم ہوتا ہے زندگی اسی زاویے کو سمجھنے کا نام ہے وہ لوگ جو تعصب کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کو سچ بھی جھوٹ کے پردے میں لپٹا نظر آتا ہے ایسے لوگ خود کو فرشتہ اور باقیوں کو شیطان سمجھتے ہی نہیں بلکہ پرچار بھی کرتے ہیں حالانکہ اتنی سی کوشش وہ خود پر کر لیں تو شیطان کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ صبح بخیر از قلم آفتاب شاہ کتاب: لفظوں میں احساس۔

۞

انسان معاشرتی طور پر کتنی ہی ترقی کر لے سوچ کا زاویہ تربیت کے کنویں کا وہ پانی ہے جو تاحیات زندگی کے کھیتوں کو اسی نقطہ نگاہ سے سیراب کرتا ہے جس کا آغاز ماں کی گود سے شروع ہو کر سگریٹ کے پہلے کش تک چلتا ہے وہ الفاظ جو آغاز سے کانوں میں پڑتے ہیں اور زندگی انہی اصولوں پر چلتی ہے جو بتائے اور سکھائے جاتے ہیں لیکن جو اپنی راہ خود چنتا ہے معاشرہ اسے باغی اور دل ہمت والا کہتا ہے۔

۞

ہمارے معاشرے میں جن نئے رجحانات میں اضافہ ہوا ہے ان میں سے ایک رجحان سب سے خطرناک ہے۔ اور وہ اپنے نکتہ نظر کو تسلیم کروانے کا

رجحان ہے جو دن بدن بڑھتا چلا جارہا ہے۔اس طرزِ عمل کو جنم دینے والے آج کل اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں لیکن ان کے اس طرزِ علم کے بیج نے انار کی کے پودے کو پانی دینا شروع کردیا ہے۔جس سے ہر گروہ اپنے مطالبات کی بندوق اٹھا کر قانون کی پشت پر دھماکہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔مہذب معاشرے ہمیشہ بات چیت کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں تاکہ انار کی جنم نہ لے سکے کیونکہ ایک دفعہ اگر وردی پر ہاتھ پڑ جائے تو ہاتھ ڈالنے والا ہاتھ کے کٹ جانے تک یہی علم دہراتا رہتا ہے۔

۞

یہ کائنات کا نظام ہے کہ لوگ آتے ہیں اور اپنے مقررہ وقت پر واپسی کی راہ پر قدم رکھ دیتے ہیں لیکن کچھ خاص لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جا کر بھی اس دھرتی پر ہمیشہ موجود رہتے ہیں جن سے سورج ہمت کی تپش لیتا ہے چاند خلوص کی چاندنی کا امیدوار بنتا ہے پھول مہکنے کے لیے دامن گیر ہوتے ہیں جھرنے پانی کو عکسِ غیرت عطا کرتے ہیں تتلیاں مسکراہٹ کے رنگ چراتی ہیں جگنو آپ کو دیکھ کر خوشی کے گیت گاتے ہیں ستارے زمین پر جھک کر سلام کرتے ہیں حور و غلمان ایسی ہستی کو مشعل راہ بناتے ہیں آسمان رشک سے نظریں گاڑ کر اپنی وسعت کا سامان مہیا کرتا ہے اور دنیا اس نام کو پسندیدگی کا وہ ہار پہناتی جو ہمیشہ دل کی چوکھٹ پر تروتازہ رہتا ہے۔

۞

انسانی بھوک کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہتی ہے۔اس بھوک کا تعلق طلب کے اس نظام سے جڑا ہے جو ضرورت کے رشتے کو بعض اوقات ہوس کے در پر بھی سجدہ ریز کروا دیتا ہے۔اگر دیکھا جائے تو تعلیم کی تکمیل کے بعد پیسے کی ہوس ختم ہو جانی چاہئے لیکن حیرت انگیز طور پر یہ بھوک مزید بڑھ جاتی ہے۔امارت کے بعد حسد کی بھوک مٹ جانی چاہیے لیکن یہ بھوک بھی برقرار رہ کر دوسروں کی نیندیں حرام کرنے کا سبب بنتی رہتی ہے۔عبادت کے طویل سجدوں کے بعد بیسکونی کی حالت کو ختم ہو جانا چاہئے لیکن عبادت کا در بے ہمیشہ چینی کی سدا سے کھٹکھٹاتا رہتا ہے۔شعور کے بعد بھی آخر جہالت کی رمق باقی کس طرح رہ جاتی ہے؟ ڈگریوں کے باوجود زہر آلود زبان کا اثر باقی کس طرح رہ جاتا ہے۔شاید ہر بھوک اپنی طلب پر قائم رہتی ہے۔

۞

بوتل اور جن کی مثال دینے والوں نے یقیناً معاشرتی انحطاط اور انار کی کے مناظر سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اس ضرب المثل کو تشکیل دیا ہوگا جن جس نے بھی دیکھا وہ بتا تو سکا لیکن کسی کو دکھا نہ سکا اور جس نے دکھانے کی کوشش کی وہ خود اسی جن کے ہاتھوں ملیا میٹ ہو گیا۔جن تب تک کمزور ہوتا ہے جب تک اسے یہ احساس نہ ہو کہ اسی کی شتر بے مہار طاقت کا استعمال کیا حیثیت رکھتا ہے اصل میں بوتل کا دباؤ اور ڈھکن کے بل جن کو کمزور بناتے ہیں لیکن جیسے جیسے بوتل پر کم عقل اور بیوقوف لوگوں کی اجارہ داری بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے جن کو اپنی طاقت کا احساس ہوتا چلا جاتا ہے اور جب اچانک جن بوتل سے باہر آجائے تو کوئی پریس کانفرنس اور عقلی بیڑا اس معاشرتی بلا کو قابو نہیں کرسکتا۔بھلائی اسی میں ہے کہ بوتل پر ہاتھ عقل مندوں کے رہیں۔

۞

جس معاشرے میں اپنے قومی شاعر کو بطورِ بت پوجا جائے اور اس کے کلام سے مکمل نا آشنائی اختیار کی جائے تو ایسا معاشرہ نہ تو سچے شعر کی قدر کرسکتا ہے اور نہ ہی حقیقی شاعر کو اس کا حق دے سکتا ہے۔اقبال آفاقیت میں ڈوبا ہوا وہ شاعر ہے جو ہر دور میں زندہ رہنے کا ہنر جانتا ہے جو اپنی شاعری سے سدا فکر کے ماتھے کا جھومر بنا رہے گا لیکن وہ اشعار جو آج اقبال سے منسوب ہیں کیا وہ قوم کی اصلاح کا حق ادا کرسکتے ہیں؟ آج نئی نسل کو یہ ہی پتہ نہیں کہ اقبال کے حقیقی اشعار کونسے ہیں؟ ہر واٹس ایپ اور فیس گروپ میں نامعلوم شاعروں کے اشعار کو اقبال سے منسوب کر کے یومِ اقبال منایا جارہا ہے جبکہ تخلیق کار، اقبال شناس، تنقید نگار اور شعراء و ادیب چپ کا روزہ سادھ کر بیٹھے ہیں۔ضرورت اقبال کی شاعری کو اپنانے کی ہے نہ کہ اس کا بت بنا کر دھمال ڈالنے کی ہے کیونکہ دھمال ڈالنے والا کبھی بھی عمل کی قوت سے آشنا ہو ہی نہیں سکتا۔

۞

حکمران اور استاد میں کافی مماثلت ہوتی ہے اگر ایک استاد کمرہِ جماعت میں کھڑا ہو طاقت بھی رکھتا ہو دعووں اور وعدوں سے سب کو مطمئن بھی رکھتا ہو لیکن اس کے سامنے بیٹھے بچے اس کی بات نہ مان رہے ہوں موبائل کے ساتھ کھیل رہے ہوں سیگریٹ پی رہے ہیں ایکدوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف ہوں تو یا تو استاد نااہل ہے یا پھر ان کے ساتھ ملا ہوا یعنی ایک حکمران کی ناک کے نیچے اگر چینی غائب ہو جائے آٹا، گھی، دالیں اور سبزیاں مہنگی ہو جائیں تو سمجھ لیں یا تو وہ نااہل ہے یا پھر کیچڑ میں کیچڑ ہو چکا ہے۔

دنیا میں کوئی وفادار نہیں اور کوئی بیوفا بھی نہیں ہر چیز کسی نہ کسی ضرورت سے بندھی ہے جس کو بیوفا کہا جاتا ہے وہ بھی کہیں نہ کہیں مجبور ہے اور جو وفادار ہے وہ بھی کسی مجبوری کو وفا کا لباس پہنا دیتا ہے۔ لوگ وہی بہتر رہتے ہیں جو ہر مجبوری اور ضرورت کو اس کے تناظر میں سمجھنے کا ہنر جانتے ہیں ورنہ پچھتاوے کے ناگ ہمیشہ ڈستے رہتے تھے۔ لیکن وہ لوگ جو ماضی کی یادوں کا تاج سر پر رکھ کر نوحہ کناں رہتے ہیں وہ اصل میں اپنی ناکامی کا رونا رو رہے ہوتے ہیں ورنہ کامیابی کا تذکرہ کسی کو بیوفا کہہ کر نہیں کیا جاتا۔

خواتین معاشرے میں اپنی پہچان کی خاطر دن رات ایک کر دیتی ہیں لیکن ان کی پہچان پھر بھی ایک عورت کے روپ میں اتنی نمایاں نہیں ہوتی جتنی وہ متمنی ہوتی ہیں۔ اگرچہ عورت کا ہر روپ مرد کے تمام جاہ وجلال سے منفرد اور الگ ہوتا ہے اس کے باوجود برابری کی چاہ عورت کو سرگرداں رکھتی ہے۔ لیکن وہ یہ سمجھ نہیں پاتی کہ اس کا وجود مرد کے لیے باعث افتخار تب تک ہے جب تک وہ سر جھکا کر چلتی ہے جب اس کی زبان اور دل بغاوت پر آمادہ ہوں تو مرد کی بنائی ہوئی خود ساختہ دنیا میں اس کا ساتھ بھی کسی مرد کو ہی دینا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ اپنی پہچان محض خواب کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ عورت کی پہچان اسی مرد سے ہے جس کا جو بھی روپ ہو لیکن کندھا رونے کے لیے اسی کا درکار رہوتا ہے۔

دکھ ایک ایسی کیفیت ہے جو اپنا ایک الگ رنگ اور اثر رکھتی ہے۔ دکھ زندگی کا حصہ ہے بعض لوگ دکھ کو بدشگونی کے زمرے میں لاتے ہیں جبکہ دکھ حقیقت میں سکھ کا وہ رخ ہے جو سکھ کی کفیت کو بدل کر ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ دکھ پر آنسو فطری عمل ہے لیکن قانونِ فطرت یہی ہے کہ دکھ کی ایک عمر ہوتی ہے یہ ممکن ہی نہیں ایک انسان تمام عمر ایک ہی حالت میں گزار دے اور اگر کسی نے ایسی حالت اپنالی ہے تو یقین کیجیے خوشی اس کے در پر دستک بھی دیتی رہی ہوگی اور سر بھی پٹکتی رہی ہوگی لیکن دکھ سے دامن گیر ناامید انسان نیم رُخ کر اس کی جانب نہیں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ ناامید ہی تو ابلیس کی راہ چنتا ہے۔

نظم

حسنِ انتخاب
بشریٰ شہزاد، گلاسکو

ماں کی طرف سے بیٹی کے نام

میری بیٹی تجھے سُسرال گھر جانا مُبارک ہو
نیا گھر، یہ نیا ساتھی، نئی دُنیا مُبارک ہو

خُدا تجھ کو سدا خوشحال رکھے شادماں رکھے
زبوں حالی نہ پاس آئے سَدا خوشیاں جواں رکھے
ڈھکیں سب عیب تیرے خوبیاں سب پر عیاں رکھے
تمہارے سر پہ مولا سایۂ حِفظ و اماں رکھے

میری بیٹی تجھے سُسرال گھر جانا مُبارک ہو
نیا گھر، یہ نیا ساتھی، نئی دُنیا مُبارک ہو

تجھے پاسِ ادب کے سب قرینے یاد رہ جائیں
تجھے شرم و حیا کے سب نگینے یاد رہ جائیں
نہ ہو تکیہ ترا فرسودہ بے ہودہ رواجوں پر
تجھے اخلاقِ فاضل کے خزینے یاد رہ جائیں

میری بیٹی تجھے سسرال گھر جانا مُبارک ہو
نیا گھر، یہ نیا ساتھی، نئی دُنیا مُبارک ہو

کبھی ہمت نہ ہارو تم سدا عزم جواں رکھنا
خیالِ ذات سے بڑھ کر خیالِ دیگراں رکھنا
کبھی غُصّہ کو حاوی تم نہ اپنے آپ پر کرنا
کڑا ہو امتحاں جتنا بھی بند اپنی زباں رکھنا

میری بیٹی تجھے سُسرال گھر جانا مُبارک ہو
نیا گھر، یہ نیا ساتھی، نئی دُنیا مُبارک ہو

تجھے عزمِ سفر کی اب کوئی تدبیر کرنا ہے
یہ ناؤ اب سپُردِ خالقِ تقدیر کرنا ہے
نصائح بھی دعائیں بھی مبارکباد بھی کہہ دی
مجھے بھی ختم اب یہ قِصّۂ دِل گیر کرنا ہے

ٹی ایل پی کا پہلا تحفہ۔ انتہا پسندی کے نتائج

ابن لطیف

مبارک ہو بھائیو یورپی یونین نے پاکستان کے خلاف قرارداد پاس کر لی ہے۔جس میں پاکستان کو انتہا پسند ملک قرار دیتے ہوئے اس پر پابندیوں کی سفارش کی گئی ہے۔یہ قرارداد ٹی ایل پی کی فرانس کے خلاف حالیہ پرتشدد مظاہروں کے ردعمل میں پاس کی گئی ہے۔دوران سیشن پاکستان میں عوام کو مارنے اور املاک جلانے کی فوٹیجز پیش کی گئیں۔قرار داد میں فرانس کے نمائندوں نے یہ تک کہا پاکستان میں فرانس کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ تشدد روکنے کی کوشش کرنے والی پولیس کو فرانس کا ایجنٹ کہہ کر قتل کیا گیا۔دوسری دلیل یہ دی گئی کہ ایسے مظاہرے دنیا کے کسی اور مسلم ملک میں نہیں ہوئے یعنی یہ مسلم امہ کا مسئلہ نہیں۔پاکستان میں ہی انتہاء پسندی پائی جاتی ہے۔اس سیشن میں یورپ کے تمام ممالک نے حصہ لیا اور پاکستان پر پابندیاں لگانے کے حق میں 681 ووٹ پڑے جب کہ مخالفت میں صرف 3 ووٹ پڑے۔

اتنی بھاری اکثریت کا مطلب ہے کہ پورا یورپ فرانس کے ساتھ کھڑا ہوگیا ہے۔اسی کا خدشہ عمران خان نے ظاہر کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس مسئلے کو ھالینڈ والے معاملے کی طرح سفارتی محاذ پر حل کرینگے۔لیکن یہاں ملاؤں کی ضد تھی کہ ہم نے گاڑیاں جلانی ہیں اور تعلقات ختم کرو۔اب ہوگا تمام ملاؤں اور پاکستانیوں کے ایمان کا ٹسٹ۔کیونکہ جو پابندیاں زیرغور ہیں ان میں پاکستانی مصنوعات کو ٹیکس پر دی گئی چھوٹ ختم کرنے (جس کے بعد آپ وہاں کچھ نہیں بیچ سکتے) پاکستان کو یورپ کے تمام ممالک سے بھیجی جانے والی رقوم پر بین لگانے، اور پاکستان پر سفر اور ویزوں کی پابندیاں لگانا زیرغور ہے۔اس سے کیا ہوگا۔پاکستان کی کل لیبر فورس کا 45٪ ٹیکسٹائل سے وابستہ ہے۔یعنی کروڑوں پاکستانی۔اور یورپ ان کا سب سے بڑا خریدار ہے۔تقریباً 7 ارب ڈالر یا 1150 ارب روپے کی مصنوعات پاکستانی یورپ بھیج کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔اور 22 لاکھ پاکستانی پورے یورپ میں کام کرتے ہیں۔جو اپنے گھروں کو سالانہ تین ارب ڈالر یا 450 ارب روپے بھیجتے ہیں۔یہ سب بند ہوجائیگا ان شاءاللہ۔جس کے بعد پاکستانیوں کے غیرت ایمانی کے پیش نظر ان پر اللہ آسمان سے من وسلویٰ اُتارے گا۔اگر یہ پابندیاں لگ گئیں تو یہ ٹی ایل پی کی پاکستان کے لیے پہلی ایچیومنٹ ہوگی۔سنا ہے خادم حسین رضوی اقبال کے شعر سناتا تھا۔آج ایک میں بھی سناتا ہوں۔۔!!

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے
جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اگر آپ کے پاس طاقت نہیں ہے تو آپ کو ذلت کی موت مرنا ہوگا یہ ازلی سچائی ہے۔طاقت پوری کریں پھر جو مرضی کریں۔یہی ہمیں حضور ﷺ کی سنت سے بھی ملتا ہے۔آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی تب تک نہ کی جب تک مطلوبہ طاقت حاصل نہ کر لی۔لیکن اس قوم کو کون سمجھائے!!! عمران خان کی تقریر پر اور شائد میری اس تحریر بھی کچھ لوگ نعرے لگائیں گے کہ ہمیں بھوک سے ڈراتے ہو؟

تو بس تیار رہیں کہ ابھی عشق کا حقیقی امتحان آنے والا ہے۔لوگوں کی خون پسینے کی کمائی سے خریدی گئی گاڑیوں کو آگ لگانا الگ چیز ہے اور اپنے گھر کی روٹی قربان کرنا الگ چیز۔خادم حسین رضوی نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ میرا ایک مرید پاکستان کا سارا قرضہ چکتا کرسکتا ہے۔اب وقت آ گیا ہے کہ ان مریدوں کو سامنے لائیں تاکہ ہم یورپی یونین کی ان پابندیوں کو جوتے کی نوک پر رکھیں!! یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یورپی یونین محض ضد میں آ کر یا فرانس سے اظہار یکجہتی کرنے تمام یورپ میں گستاخانہ خاکے نہ شائع کرلے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کا زمہ دار کون ہوگا؟

ایک افغانی سِکھ آنکھوں میں آنسو لئے اپنے دوست کو کینیڈا میں مستقل نقل مکانی کی وجہ بتا رہا تھا

....پہلے تو جگہ جگہ طالبان کے ہاتھوں میری پٹائی ہونے لگی کہ میں نماز باقائدگی سے کیوں نہیں پڑھتا پھر رمضان آیا تو نہ صرف روزے رکھنے پڑے بلکہ بیس بیس تراویح بھی پڑھنی پڑی۔ایک جگہ تو مجھے امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔جب میں نے بتایا کہ میں تو سِکھ ہوں تو پوچھنے لگے کہ میں سُنی سِکھ ہوں کہ شیعہ سِکھ میرے خاطر خواہ جواب نہ دینے پر اُنہوں نے فرض کر لیا کہ ہو نہ ہو میں شیعہ سِکھ ہوں اور دل لگا کر میری دھلائی کی۔میں نے یہ سب ثابت قدمی سے برداشت کیا لیکن پچھلے ہفتے تو اِنتہا ہوگئی۔میں نے اپنے بیٹے بلبیر سنگھ کو ٹانسلز کے آپریشن کے لئے ہسپتال داخل کرایا تو ڈاکٹر نے ساتھ ہی اُسکے ختنے کر دیے اور مجھے بہت لعن طعن بھی کی کہ ابھی تک بچے کے ختنے نہیں کرائے تھے۔بس بھائی اب برداشت سے باہر تھا۔مرتا نہ تو کیا کرتا، سو یہاں چلا آیا۔

اِس مُلک کو فوج چلا رہی ہے یا عدلیہ؟

میاں فہیم لندن

اب مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کن الفاظ میں اپنی عدلیہ کا شکریہ ادا کروں عزیر بلوچ کو 3 مقدمات میں بری کرنے پر خراج تحسین پیش کروں یا نعیم بخاری کو کام کرنے سے روکنے پر پھولوں کی مالا پہناؤں مجھے یہ بھی سمجھ نہ آ رہی ہے کہ جس ملک میں ہائی کورٹ سپریم کورٹ اپنی مرضی سے ڈاکٹروں سے لیکر پولیس والوں اور دیگر محکموں کے آفسران اور چپڑاسی تک کو کام کرنے سے روک دیں وہاں جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اس ملک کو فوج چلاتی ہے تو ان کیلیئے دوا مانگوں یا دعا؟ چیف جسٹس اسلام آباد ہائیکورٹ ہر واقعہ پر از خود نوٹس لیتے ہیں پھر ایک سوال ضرور پوچھتے ہیں کہ رٹ آف گورنمنٹ کہاں ہے۔ کیا چیف جسٹس اسلام آباد ہائیکورٹ کا یہی سوال تھانہ مارگلہ اسلام آباد کو آگ لگانے کی دھمکی دینے ملزمان کو کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھنے کی ہمت رکھتے ہیں؟

عدلیہ نے چیئرمین PCB کو کام سے روک دیا

عدلیہ نے چیئرمین PIA کو کام سے روک دیا

عدلیہ نے چیئرمین PTV کو کام سے روک دیا

عدلیہ نے ماڈل ٹاؤن کی جے آئی ٹی کو کام کرنے سے روک دیا

عدلیہ نے عزیر بلوچ قاتل کو بری کر دیا

عدلیہ نے ایان علی کو باہر بھیج دیا

عدلیہ نے ریپ کے ملزمان کو بری کر دیا

عدلیہ نے نواز شریف کو بیرون ملک بھاگنے کی اجازت دے دی۔

عدلیہ نے آصف زرداری کو ضمانت دے دی عدلیہ نے حمزہ شہباز کو چھٹی کے دن عدالت لگا کر ضمانت دے دی۔ شہباز شریف کو ضمانت دے دی 32 ارب کے فراڈ پر میں نے آج تک بہت لکھا تحریر کو وائرل کرو، تا کہ مظلوم تک انصاف، ظالم کے گریبان تک ہاتھ پہنچ سکے اور عدلیہ کو پتہ چل سکے کہ جس عدالت میں عدل نہ ہو وہ عدالت نہیں بیغیرتی کا ڈیرہ ہوتا ہے...!!!

عارف – افسانہ- مُبشرہ ناز

جانے کس نے چراغ جلایا تھا میرا کمرہ روشنی سے بھرنے لگا چوڑیاں کھنکیں گلابی دوپٹے نے لجا کے انگڑائی لی۔۔! میں گہری نیند سے جاگی تھی میرے کمرے میں میرے خواب کی خُوشبو پھیلی تھی چراغ میں خوشبودار تیل تھا شاید روشنی سے میری آنکھ کھل گئی دور کوئی سسک رہا تھا۔ اُس کی سرگوشیاں گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہی تھیں۔ سینے میں غم کی ہانڈی اُبل رہی ہو جیسے۔ ٹھنڈے چولہے پر رکھے پچھتاوں کے نیچے دھیمی دھیمی آگ جلنے لگی تھی اس کی سلگن میری جان کو آنے لگی دُھواں آنکھوں میں بھرنے لگا۔ چوڑیوں کی ہلکی سی کھنک گلابی دوپٹے کی سرسراہٹ اور سسکیاں میں تڑپ کر اُٹھی۔

اُس کے کمرے کی چک اُٹھا کر دیکھا ٹھنڈے فرش پر سر سجدے میں گرائے وہ میرا لخت جگر تھا میرا عارف۔۔۔! ۔! یہ کیسی کایا پلٹی تھی میں روزانہ نماز کے لیئے جگایا کرتی۔۔۔ اٹھتا ہی نہیں تھا آج تو میں نے جگایا بھی نہیں جانے کیسے میری آنکھ لگ گئی اور'' اُس کی بھی''۔ یہ آنکھیں بھی عجیب ہوتی ہیں ان کو کوئی کیسے پابند کرے کیسے پردے میں بٹھائے، لاکھ عرضیاں بھیجو یہ نہیں مانتیں اور پابند ہو جائیں تو لاکھ لالچ دو وعدے سے نہیں پھرتیں۔ میں نے وہیں اس کے پاس ہی مصلٰی بچھا لیا۔۔۔ اس کی سسکیاں اور تیز ہونے لگیں کمرے میں پھر وہی خوشبو بھرنے لگی۔ میں سلام پھر کر اس کی نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی اس نے نماز ختم کی اپنا سر میری گود میں رکھا اور کہنے لگا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے بے شک بے شک وہ ہے میں نے کہا پھر کہنے لگا اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نُور کی طرف ہدایت دیتا ہے ہاں پُتّر کیوں نہیں پھر اس کے بعد آنسو تھے اس کے بھی میرے بھی۔ رلے ملے مٹھے سونفوں جیسے رنگ برنگے اللہ رنگے اتاں کل صبح منہ ہنیرے گاؤں گیا تھا زمینوں کا حساب کرنے۔ مُنشی جی نے مجھے بیٹھک میں بٹھایا نماز پڑھ کر آتا ہوں پُتّر چا پانی ناشتے کے بغیر نہیں جانے دوں گا۔ مُجھے دیر ہو رہی چاچا پہلے مجھے فارغ کر نہ پہلے اوہ تے فیر کوئی ہور بیٹھ پتر بیٹھ دو گھڑیاں دی گل اے اھنج جان تے ہتھ نئی آندیاں دیر ہو رہی ہے چاچا اور بڑے کام ہیں مرضی ہے تیری پُتر اُڈیک نئی سکدا تے میں کل آپ حاضر ہو جاؤں گا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا تلاوت کی آواز آنے لگی۔

اللہ نور لسَّمٰوٰتِ وَالارض

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ ہو۔وہ چراغ شیشے کے شمع دان میں ہو۔وہ شیشہ ایسا ہو گویا ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔وہ (چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔اس (درخت) کا تیل ایسا ہے کہ قریب ہے کہ وہ از خود بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اسے آگ کا شعلہ نہ بھی چھوا ہو۔یہ نور علیٰ نور ہے۔اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہ

ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے اِذن دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔میری آنکھیں تھیں کہ بہہ جانا چاہتی تھیں۔امّاں۔!میں ان پر بند باندھنے سے قاصر رہا،مُنشی چچا نے میری طرف دیکھا۔ان کی میری طرف اٹھنے والی نظر کوئی عام نظر نہیں تھی۔ان کی نظروں میں جکڑا میں ان کے پیچھے ہولیا مسجد سے واپسی پر تیرا عارف وہ عارف نہیں رہا ماں میرے کانوں میں اُس کی تلاوت کی آواز رَچ گئی ہے ماں،میرے کان میرا دِل بن گئے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلۡھِیۡھِم

ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے یا نماز کے قیام سے یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل (خوف سے) اُلٹ پلٹ ہو رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی میں لُٹ گیا ماں،تیرا عارف لُٹ گیا جی جان سے لُٹ گیا کیسے غافل رہا اتنی دیر میرے سینے سے لگا وہ سسک رہا تھا عارف اب عارف ہوا تھا۔ٹھیک ایک مہینے کے بعد میں مُنشی صاحب کی نابینا بیٹی کو بیاہ کر گھر لے آئی۔وہ بینائی سے محروم تھی مگر میرے پُتّر کو بینا کر گئی۔

ہائے اِکّو اِک میرا پُتّر ہے میرے پُتّر کے لئے وہی بے نوری رہ گئی ہے۔میری آواز نے مجھے طمانچہ مارا...اللہ بخشے عارف کے ابّا کی کتنی خواہش تھی اُسے بہو بنانے کی۔بڑے دُعا گو تھے اللہ سے بڑی یاری تھی۔کدی مصلہ سکن وی دیا کرو کی منگدے رہیندے او رو رو کے۔جھلیئے اودے کولوں اودے سوا کی منگنا۔پھر مُسکرا کر کہتے کدی چاء دے شوقیناں نُوں پوچھ کے دیکھ جویں ٹھنڈی چاء چنگی نئیں نا لگدی ٹھنڈی نماز وی سوادی نئیں لگدی۔مُجھے اکثر لگتا کونے میں بچھا ان کا مصلہ بھی ان کی باتیں سن کر مسکراتا ہے۔اپنے ابّا کی طرح چائے کا شوقین عارف کل اپنے ابّا کا مصلہ مُجھ سے لے گیا۔آنکھ کی پُتلی پر اِک خواب راجا بنا بیٹھا ہے چوڑیوں کی کھنک گلابی دوپٹّے کی سرسراہٹ والا خواب۔!اللّٰہُ نُوۡرُ لسَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ...اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے تلاوت کی آواز چوڑیوں کی کھنک گلابی دوپٹے کی سرسراہٹ میری آنکھ میں رکھا۔خواب پورا ہوا تھا عارف کے ابا کا خواب اللہ سے اللہ کو مانگنے والے اس کے بڑے لاڈلے ہوا کرتے ہیں میں جان گئی تھی۔

پرندوں کی زندگی میں انسان کیلئے 6 اسباق ہیں

رجل خوشاب

۱۔یہ کبھی بھیک نہیں مانگتے۔محنت اور جہد مسلسل سے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

۲۔یہ وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں۔ہم سے پہلے اٹھتے ہیں،وقت پر رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور وقت پر واپس اپنے گھر لوٹتے ہیں۔۳ پرندوں میں کمال حد تک اتحاد اور تنظیم کا جذبہ پایا جاتا ہے۔اکیلے اور بغیر کسی راہنما کے سفر بھی نہیں کرتے۔

۳۔تمہیں کوئی پرندہ ذخیرہ اندوزی کرتا نظر نہیں آئے گا،کیونکہ یہ حریص نہیں ہوتے۔اور سب سے بڑھ کر یہ صابر اور توکل کرنے والی مخلوق ہے۔جسکی کی گواہی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دی۔فرمایا۔جنت میں ایک ایسا گروہ داخل ہوگا جس کے دل پرندوں جیسے ہوں گے۔

(یعنی صبر اور توکل کرنے والے)

آخری بات یہ کہ پرندے مستقل ایک جگہ یا مقام کے قیدی ہو کر نہیں رہتے۔کسی جگہ کو جاگیر نہیں بناتے بلکہ جہاں رزق اور سازگار ماحول مل جائے وہیں ڈیرہ ڈال لیتے ہیں۔اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے۔

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات

جناب آفتاب شاہ صاحب کو ڈاکٹر مقصود جعفری کا خراج تحسین

ڈاکٹر مقصود جعفری

☆چمن واں کرتی ہے۔رنگینیِ خیال کے فانوس سے ادائیگیِ الفاظ پر قدرت حاصل کرتی ہے۔مشاہدے کے پھول سے مطالب کی مہک کا مزہ لیتی ہے۔ندرت ادا کا سبق ہم عصر تخلیق کاروں سے لیتی ہے۔قلم کی حدت کو خونِ جگر کا پانی پلاتی ہے۔وقت کی راگنی کو اپنی حیات بناتی ہے۔اور جب کوئی واہ کرتا ہے تو عاجزی کے چشمے سے گھونٹ بھر کر خامہ فرسائی کرتی ہے۔ تخلیق تب تک ممکن نہیں جب تک قلب کے آنگن میں خیال کا جگنو آزادی سے پرواز نہ کرے۔: آفتاب شاہ صاحب خونِ جگر کی اشاعت پر مبارک باد۔آپ نے واٹسپ پر اُس کی pdf بھیجی۔شکریہ☆

میں نے آپ کا تحریر کردہ مضمون ''صدا بازگشت'' اور جناب اسامہ رضا صاحب کا آپ کی شاعری پر لکھا دیباچہ بھی پڑھا۔دونوں تحریریں ادب کے شہ پارے ہیں۔آسمان وجدان کے ستارے ہیں۔غمِ ذات کی داستاں اور فکرِ کائنات کا بیاں ہیں۔آپ کی غزلیات نظر نواز ہوئیں۔آپ کے کلام میں سلاست و بلاغت اور موسیقیّت وغنائیت کلاسیکل اساتذہ کے کلام کی یاد تازہ کرتی ہے۔اپ کے اشعار میں خلوص کی فراوانی اور وفا کی تابانی بہ کثرت ہے۔آپ کا تعلق شہرِ اقبال وفیض سیالکوٹ سے ہے جو اُن کی بدولت عالمی شہرت کے حامل شہر بن چکے ہیں۔آپ نے بھی اپنی عمدہ شاعری سے اس شہر کی ادب پروری کا حق قرار ادا کر دیا ہے۔رہا کتاب کے عنوان کا معاملہ تو آپ نے خون جگر سے لکھی شاعری کی کتاب کا نام بھی ''خونِ جگر'' رکھا ہیجو کہ درست ہے۔علامہ اقبال نے بھی خونِ جگر کو معجز فن کی نمود قرار دیا ہے۔آپ مرزا غالب کے ہمنوا ہیں جس نے کہا تھا:''دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک'' یہ دل کا معاملہ ہو کہ جگر کا قصہ فارسی شاعری نے مرزا بیدل اور اردو شاعری نے جگر مرادآبادی پیدا کئے۔بیدل نے خوب کہا تھا۔۔

ہر کجا رفتم غبارِ زندگی در پیش بود
یا رب این خاکِ پریشاں از کجا برداشتم

جگر کا شعر ہے۔

چمن والوں سے مجھ صحرا نشیں کی بود و باش اچھّی
بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

آپ نے اپنے خونِ جگر سے خاشاکِ چمن کا لالہ ساں بنا دیا ہے جو ایک صاحبِ نظر اور صاحبِ دل شاعر کا کام ہے۔

سلامت رہیں اور چراغِ دل سے شبِ تیرہ و تاریکِ زندگی کو تابندہ کرتے رہیں این دعا از من و از جملہ جہاں

کالعدم جماعت ٹی ایل پی

کے فنانس سیکرٹری کے بھائی انڈینز کے ساتھ رابطے میں ہیں پنجاب حکومت کی سپریم کورٹ میں جمع کرائی گئی رپورٹ میں انکشاف رپورٹ کے ساتھ منسلک بینک اسٹیٹمنٹ کے مطابق ٹی ایل پی کے فنانس سیکرٹری کے بھائی کے اکاؤنٹ میں رقوم بھیجی جا رہی ہیں 5 جولائی 2021 کو ایسی ہی ایک ترسیل راجیش ہمت لال اور مکیش ہمت لال (دونوں انڈین ہیں) کی طرف سے اس اکاونٹ میں بھیجی گئی جو اس وقت متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں۔فنڈنگ کے لیے سیلولر کمپنی کے اکاؤنٹس اور ہنڈی چینل بھی استعمال کیے جا رہے ہیں رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ ٹی ایل پی کے 524 کارکنان اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کی وجہ سے اے ٹی اے 1997 کے شیڈول IV میں شامل ہیں جن میں سے 195 نے ابھی تک ضمانتی بانڈز جمع نہیں کرائے ہیں، جس سے ان کے توہین آمیز رویے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

رپورٹ کے مطابق صراط المستقیم کے نام سے ایک واٹس ایپ گروپ چلایا جا رہا ہے جس کا ایڈمن بھارت میں مقیم ہے جس میں 117 ہندوستانی اراکین کی شناخت بھی کی گئی ہے۔حراست میں لیے گئے بہت سے ہمدرد TLP چیف بھی اس گروپ کا حصہ ہیں۔اس سے کالعدم TLP کی تشہیر میں دشمن ریاست کے ملوث ہونے کا پتہ چلتا ہے چونکہ ٹی ایل پی کے سربراہ اور ان کے ساتھی اپنے انتہا پسندانہ موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے اس بات کے امکانات ہیں کہ دشمن انٹیلی جنس ایجنسیاں اور ان کی سرپرستی میں نام نہاد اسلامی عسکری تنظیمیں فائدہ اٹھا کر سعد رضوی کے نظریے اور بیان بازی کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکتی ہیں۔حکومت پنجاب نے 11 اکتوبر 2021 کو سپریم کورٹ آف

پاکستان میں ٹی ایل پی کے سربراہ کی نظر بندی کو غیر قانونی قرار دینے کے لاہور ہائی کورٹ کے حکم کو چیلنج کرتے ہوئے سپریم کورٹ میں یہ رپورٹ پیش کی۔

پلیز یہ ٹکڑا پڑھیں

امریکہ میں میڈیکل آفیسرز نے ہر ایک کی مدد کے لیے اسے بھیجا ہے۔ براہ کرم پڑھیں اور اپنا خیال رکھیں۔ ڈاکٹر اوکیئ۔جس شرح سے نوجوان گردوں کی بیماری میں مبتلا ہیں وہ تشویشناک ہے۔ میں ایک پوسٹ شیئر کر رہا ہوں جو ہماری مدد کر سکتا ہے۔ براہ کرم ذیل میں پڑھیں:

اہم۔کڈنی بہترین کام کرتا ہے۔بمشکل دو (2) دن پہلے، ہم سب کو گردے کی بیماری کے نتیجے میں نائجیرین اداکار کے انتقال کی خبر ملی۔

عوامی کاموں کے ہمارے وزیر، معزز ٹیکو جھیل اس وقت ہسپتال میں لائف سپورٹ پر گردوں کے مسائل کے ساتھ ہے۔ میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں کہ گردے کی بیماری کی اس لعنت سے کیسے بچا جائے۔ یہاں بچے کی بیماری کے سب سے اوپر 6 وجوہات ہیں:

1-ٹوائلٹ جانے میں تاخیر اپنے پیشاب کو زیادہ دیر تک اپنے مثانے میں رکھنا ایک برا خیال ہے۔ایک مکمل مثانہ مثانے کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پیشاب جو مثانے میں رہتا ہے بیکٹیریا کو تیزی سے بڑھا دیتا ہے۔ایک بار جب پیشاب ureter اور گردوں کی طرف لوٹ جاتا ہے تو، زہریلے مادے گردے کے انفیکشن، پھر پیشاب کی نالی کے انفیکشن، اور پھر ورم گردہ اور یہاں تک کہ یوریمیا کا سبب بن سکتے ہیں۔ جب فطرت بلائے۔جتنی جلدی ممکن ہو اسے کریں۔

2-بہت زیادہ نمک کھانا۔آپ کو روزانہ 8.5 گرام سے زیادہ نمک نہیں کھانا چاہیے۔

3-بہت زیادہ گوشت کھانا۔آپ کی خوراک میں بہت زیادہ پروٹین آپ کے گردوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ پروٹین ہاضمہ امونیا پیدا کرتا ہے۔ ایک زہریلا جو آپ کے گردوں کے لیے بہت تباہ کن ہے۔ زیادہ گوشت گردوں کو زیادہ نقصان پہنچانے کے برابر ہے۔

4-بہت زیادہ کیفین پینا۔کیفین بہت سے سوڈا اس اور سافٹ ڈرنکس کا جزو ہے۔ یہ آپ کے بلڈ پریشر کو بڑھاتا ہے اور آپ کے گردوں کو تکلیف ہونے لگتی ہے۔لہٰذا آپ کو کوک کی مقدار کم کرنی چاہیے جو آپ روزانہ پیتے ہیں۔

5-پانی نہیں پینا۔ ہمارے گردوں کو مناسب طریقے سے ہائیڈریٹ کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنے افعال کو اچھی طرح انجام دے سکیں۔اگر ہم کافی نہیں پیتے تو، خون میں ٹاکسن جمع ہونا شروع ہو سکتے ہیں، کیونکہ گردوں کے ذریعے ان کو نکالنے کے لیے کافی سیال نہیں ہے۔ روزانہ 10 گلاس سے زیادہ پانی پیئیں۔ یہ چیک کرنے کا ایک آسان طریقہ ہے کہ کیا آپ پیتے ہیں۔کافی پانی: اپنے پیشاب کا رنگ دیکھیں ہلکا رنگ، بہتر۔

6-دیر سے علاج۔اپنی صحت کے تمام مسائل کا صحیح طریقے سے علاج کریں اور اپنی صحت کو باقاعدگی سے چیک کروائیں۔ آیئے اپنی مدد کریں... خدا آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس سال ہر بیماری سے محفوظ رکھے گا۔(3) ان گولیوں سے بچیں، یہ بہت خطرناک ہیں۔سردی، وکس ایکشن -500- فعال، کولڈارین۔کاسموم، اچھا، نیمولڈ۔Cetrizet-D ان میں PPA، Phenyl Propanol-Amide ہوتا ہے۔ اسٹروک کا سبب بنتا ہے اور امریکہ میں اس پر پابندی ہے۔

امریکہ میں ڈاکٹروں نے انسانوں میں نیا کینسر پایا ہے جو سلور نائٹرو آکسائیڈ کی وجہ سے ہے۔جب بھی آپ ریچارج کارڈ خریدتے ہیں، اپنے ناخنوں سے کھرچنا نہیں، کیونکہ اس میں سلور نائٹرو آکسائیڈ کوٹنگ ہوتی ہے اور یہ جلد کے کینسر کا سبب بن سکتی ہے۔

صحت سے متعلق اہم تجاویز:

1-بائیں کان سے فون کالز کا جواب دیں۔

2-اپنی دوا ٹھنڈے پانی سے نہ لیں۔

3-شام 5 بجے کے بعد بھاری کھانا نہ کھائیں۔

4-صبح زیادہ پانی پیئے رات کو کم۔

5-سونے کا بہترین وقت رات 10 بجے سے صبح 4 بجے تک ہے۔

6-دوا لینے کے بعد یا کھانے کے فوراً بعد نہ لیٹیں۔

7-جب فون کی بیٹری آخری بار سے کم ہو تو فون کا جواب نہ دیں، کیونکہ تابکاری 1000 گنا زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

***

کینیڈا ایجپن میں یہ قوّالی سنتے تھے بولو جی تم کیا کیا خریدو گے

قاسم عبّاس۔مسی ساگا

ہر چیز یہاں بکتی ہے اس قوّالی کے آخری بول یہ تھے۔اے خُدا،توں پردے میں ہے، ورنہ تیرے بندے تجھے بھی بیچ دیتے۔یہ تو صرف قوّالی تھی،مگر اس پندرھویں صدی میں یہ حقیقت بن گئی ہے کہ اللہ کے بندے پیسوں کی خاطر دینِ اسلام کا نام، اللہ کا نام، اس کے رسول ﷺ کا نام، اور اسلامی مقدّس ناموں کو کھلّے عام بیچ رہے ہیں اسلامی اور حلال سرمایہ کاری اور مارگیج کے نام سے شمالی امریکہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر لوٹنے کے قصّے تو عام ہو چکے ہیں نمازیوں سے چندہ وصول کرنے کے لئے کمرشئل مولویوں کی طرف سے مساجد کی اینٹیں، مصلّے، دیواریں، مینار جنّت میں گارنٹی وغیرہ کئی بار بک چکے ہیں اور ابھی بھی اس کی سیل جاری ہے۔دوسرے الفاظ میں مسجد میں چندہ دینے والوں کو جنّت کے سرٹیفکیٹ بیچے جاتے ہیں۔اگر جنّت مسجد میں چندہ دینے سے حاصل ہو جاتی تو دنیا کا بڑے سے بڑا بدکردار اور گنہگار مسلمان مسجد میں چندہ دے کر دنیا میں ہی جنّت کی گارنٹی حاصل کر لیتا اور پوری عمر گناہ کرتے رہتا۔شمالی امریکہ میں اسلام، حلال اور اسلامی مقدّس ناموں کے لیبل کے ساتھ کئی قسم کی چیزیں بڑے مہنگے دام بک رہی ہیں اور بیچنے والے دینِ اسلام کا نام، اللہ کا نام، اس کے رسول ﷺ کا نام، اور مقدّس ناموں سے بڑا مال بنا رہے ہیں اسلامی شہد، اسلامی صابن، حلال دوائیں، حلال ویٹامن (اومیگا یعنی مچھلی کے تیل کی گولیاں) مدینہ المنوّرہ برانڈ دوائیں، مکہ المعظّمہ برانڈ ویٹامن وغیرہ ان چیزوں کے اشتہار شمالی امریکہ کے اخباروں میں شائع ہوتے ہیں اور فلائر یعنی پرچے چھپوا کر مسجدوں میں رکھ دیئے جاتے ہیں

ان نامنہاد اسلامی اور حلال بکاؤ مال بلخصوص وٹامن (اومیگا یعنی مچھلی کے تیل کی گولیاں) کی قیمتیں مارکیٹوں میں معروف کمپنیوں کی بنی ہوی ایسی ہی چیزوں کے مقابلے میں تقریباً تین سے چار گنے زیادہ رکھی گئی ہیں۔سلامی، حلال، مکہ اور مدینہ جیسے مقدّس ناموں کو کیش کرانے کا یہ ایک بھونڈا طریقہ ہے۔مارکیٹوں میں دستیاب ہونے والی یہ اشیاء بالکل حلال ہیں، کیونکہ شہد اور مچھلی اور اس سے بننے والی چیزوں کو قرآن میں حلال قرار دیا گیا ہے۔شمالی امریکہ اور یورپ میں حلال گوشت کے سرٹیفکیٹ بھی اچھے داموں بیچے جاتے ہیں۔یہ بھی مال بنانے کا ایک دھندہ ہے۔اسی طرح شمالی امریکہ، یوروپ اور خاص کر کے پاکستان میں کمرشیل مفتیوں نے تو لمیٹڈ کمپنیاں بنالی ہے اور اس ضمن میں فتوے کے سرٹیفکیٹ بیچنے کا یہ دھندہ کرنے والے مفتی لاکھوں کا مال بناتے ہیں اور عوام کو بیوقوف بناتے ہیں کہ صرف اور صرف یہ ہی حلال سرمایا کاری ہے۔اس سے ہٹ کر جو بھی سرمایا کاری ہے وہ حرام ہے۔اس طرح یہ کمرشیل مفتی اللہ کا کلام بیچ کر اپنے اور اپنے خاندان کے افراد کے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں زمانہ ترقّی کر رہا ہے۔اب کچھ عرصہ کے بعد شاید دو پیسہ بنانے کے لئے مسلمانوں کے جذبات کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے، ہمارے مسلمان بھائیوں ہی کی طرف سے اسلامی شراب، سُوّر اور گدھے کا حلال گوشت، شریعہ مطابقت زینہ اور جُوا، حلال سود اور سرمایہ کاری، کعبہ شریف برانڈ حلال چاول، مکہّ معظّمہ برانڈ حلال آٹا، مدینہ شریف برانڈ حلال مصالحے حجرِ اسود برانڈ حلال دال، مسجدِ نبوی برانڈ حلال نمک وغیرہ بازار میں دستیاب ہوجانے کی اُمید لگائی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ جذباتی مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کے لئے حلال کپڑا، اسلامی پانی، شریعہ مطابقت چپّل اور جوتے بھی بازار میں آسکتے ہیں اور اس طرح جذباتی مسلمانوں کو دینِ اسلام، اللہ، اس کے رسول ﷺ، اور مقدّص ناموں سے بکاؤ مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر کے آسانی سے اُلّو بنا کر کافی مال بنایا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں کمرشئل مولوی سے ان کے بکاؤ مال حلال ہے۔اس کا سرٹیفکیٹ بڑی آسانی سے خریدا جا سکتا ہیبولو جی تم کیا کیا خریدو گے۔ہر چیز یہاں پر بکتی ہے۔

مولوی کا ایمان یہاں بکتا ہے، کمرشیل مفتی کا فتویٰ بھی یہاں بکتا ہے، مساجد کی اینٹیں، مصلّے، دیواریں، مینار، کمرشئل مولوی کی جنّت کی گارنٹی یعنی جنّت کے سرٹیفکیٹ، حج اور عمرے کے ڈائمنڈ، گولڈن اور سلور پیکیج، کمرشئل نعت خوانوں کی نعتیں، حلال گوشت کے سرٹیفکٹ، سیاستدانوں کا ضمیر غریبوں کی عزّت قوم کی بیٹیوں کی عصمت، کمیونٹی کے معروف سماجی لیڈروں کے میلے ٹھیلے، ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں رقص و فیشن شو، شراب اور رقص کی محفلیں سجانے والے کنونشن اور بینکوٹ ہالوں میں مسجد کے چندے سے دھوم دھام سے رچائے گئے اسلامی روحانی کانفرنسیں اور بہت کچھ یہاں بکتا ہے۔

تم مسلماں ہو کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں ہنود

قاسم عبّاس، میسی ساگا۔کینیڈا

سورج غروب ہونے میں کچھ دیر ہے۔کلّو دکاندار اپنے بیٹے سے مخاطب ہے۔

پسی ہوی مرچی میں لکڑی کا برادہ ملا لیا؟ بیٹا: جی ہاں چائے کی پتّی میں کالے چنے کے چھلکے ملا لئے؟ بیٹا: جی ہاں۔ ہلدی میں پیلے رنگ کا پاؤڈر ملا لیا؟ بیٹا: جی ہاں چاول میں کنکر ملا لئے؟ بیٹا: جی ہاں۔تو چلو دکان بند کرتے ہیں۔مغرب کا وقت ہو رہا ہے۔نماز کی پابندی بہت ضروری ہے۔کہانی کا خلاصہ: دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت کا یہ ہی حال ہے۔کالے کرتوت اپنی جگہ، کیونکہ یہ دنیوی معاملہ ہے اور نماز اپنی جگہ، کیونکہ یہ دینی معاملہ ہے۔آج کے دور کے مسلمانوں کی اکثریت نے اللہ کے احکامات اور رسول ﷺ کی تعلیم کو بالکل نظر انداز کرا دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور نماز کے پابند رہو بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔سُورَۃُ العَنکبوت، آیت۔یہ قرآنی آیت نماز سے پہلے ہر جمعہ کے خطبہ کے اختتام پر پڑھی جاتی ہے، جیسے نمازیوں کو یاددہانی کرائی جاتی ہے کہ نمازی برا کام نہیں کرسکتا کیوں کہ نماز برے کاموں سے روکتی ہے۔پاکستان میں یہ ہر سال کا معمول بن گیا ہے کہ ایمان والے دکاندار ماہ رمضان کی آمد سے پہلے ہی کھانے پینے کی اور ضروری اشیاء کے دام آسمان پر لے جاتے اور ماہ رمضان میں جمعہ کے خطبے میں قرآن کی یہ آیت سنتے ہیں۔یہ ایمان والے دکانداروں کا ماننا ہے کہ دھندہ اور دھرم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔یعنی تجارت اپنی جگہ ہے، اور نماز اپنی جگہ ہے۔اسی لئے یہ ایمان والے دکاندار مانتے ہیں کہ جب عوام ماہ رمضان میں رحمتیں لٹتے ہیں، تو ہم ان کو لٹتے ہیں، اور یہ ایک ہی بات ہے۔حدیث رسول ﷺ کا خلاصہ ایک وقت ایسا آئیگا جب مسلمان کافی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ذلیل وخوار ہونگے، اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ بھٹک گئے ہونگے، یعنی اللہ کی کتاب قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہوگا۔

(صحیح بخاری، راوی حضرت عثمان بن عفّان رع)

غربت کے پہاڑ اور معاشرہ۔والدین کا مقام

جہالت کے اندھیرے دور کرنے والی ہستی کو سلام، ماں کے قدموں تلے جنت رکھنے والی ہستی کو سلام، شرم وحیا کا پیکر بہن، مرد کی عزت بیوی اور آنکھ کی تارہ بیٹی کا اعزاز بخشنے والی ہستی کو سلام، غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر انسانیت کا اعلیٰ معیار دینیوالی عظیم ہستی کو سلام، محسنِ انسانیت کو سلام، رحمتا للعالمین کو سلام، آقا دو جہان کو سلام، تہذیب وتمدن کو مؤدب کرنے والی عالمگیر ہستی کو سلام، کردار کے امین کو سلام، سچائی کے نگہبان کو سلام، صفاتِ خداوندی سے آشنا کو سلام، رحم اور انصاف کیحقیقی عکس کو سلام، انسان کو نیابتِ الٰہی کا مقام بتانے اور حقیقی ایمان کا درس دینے والے آخری نبیؐ پر سلام۔

گنڈیری کی طرح چُوسے ہوئے بندے۔اس دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خدا کے عاجز بندوں کو پہلے گنڈیری کی طرح چنگی طرح چُوسیں گے، انکے رس نکالیں گے، انکے ٹیلنٹ سے فائدہ اُٹھائیں گے، ان کو چنگی طرح استعمال کریں گے اور جب اُن میں سے چنگی طرح جُوس نکل جاتا ہے اور وہ پھوکے ہوجاتے ہیں بلکہ وہ بیچارے اپنے جوگے بھی نہیں رہتے اور ان میں اتنی جان بھی نہیں رہتی کہ وہ پہلے کیطرح کام کرسکیں تو انھیں یا تو اُٹھا کر کباڑ میں پھینک دیا جاتا ہے تاکہ انکی بچی کُھچی صلاحیتوں کو مزید زنگ لگ جائے یا کُھڈے لائن لگا دیا جاتا ہے۔پھر بیچارے دُنیا میں کہیں سیٹل بھی نہیں ہوسکتے۔کہتے ہیں کہ دس سال بعد تو رُوڑی کی بھی سُنی جاتی ہے مگر انسان کو مار دیا جائے تو اسکا جسم کسی کام کا نہیں ہوتا، اسے دفنانا ہی پڑتا ہے۔کہتے ہیں کہ

یہ دور بے ہُنراں ہے بچا رکھو خود کو
یہاں صداقتیں کیسی کرامتیں کیسی

بندہ پُچھے غریب دا بال تو اپنے ہنر، فن اور اپنے آپکو بچانے کی طاقت و استطاعت بھی نہیں رکھتا، غریب کے ہُنر کی قیمت کہاں لگتی ہے۔قیمت اگر لگتی ہے تو جھوٹ کی، فریب کی، ڈرامے بازی کی، ملمع سازی کی، دھوکے کی۔دھوکے سے بندہ جو مرضی کرتا پھرے۔صرف وہ غریب کامیاب ہے جو کسی صاحبِ اختیار بندے کا لَڑ پکڑ لیتا ہے، خوشامد و چاپلوسی کو انتہاء تک پہنچا دیتا ہے، اپنے کولیگز اور دیگر ساتھیوں کی ٹانگیں کھینچنے، رپورٹیں کرنے اور

خامیاں حُکامِ بالا تک پہنچانے میں مہارت رکھتا ہو،اپنی کمزوریوں اور گناہوں پر آپکو کمال مہارت کے ساتھ پردہ ڈالنا آتا ہو اور دوسروں کی نیکیوں اور اخلاص کو مشکوک ثابت کرنا آتا ہو.تب ہی آپ بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں.ایسا غریب چاہے ڈرائیور و خانساماں بھی ہو آخر ایک دن وزیرِ مملکت بنتا ہے.لیکن اگر ترقی نہیں کرسکتا تو کمزور اور ماڑا بندہ نہیں کرسکتا جسے ہوشیاری نہیں آتی.حقیقت یہ ہے کہ ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات...

مفاجات کا مطلب ہے ہوا یہ لفظ وہی،مطلب اور موت،مطلب یہ کہ ضعیف،کمزور اور غریب دے بال کو اچانک آنیوالی مصیبت ہی مار دیتی ہے،جبکہ طاقتور، صاحبِ حیثیت اور صاحبِ اختیار بندہ اکثر اوقات مشکلات سے نکل جاتا ہے،جس کا جُرم ضعیفی ہو،کمزوری ہو،غربت ہو اسکی سزا یہی ہے کہ وہ اچانک آنیوالی مصیبتوں کا سامنا کرتا رہتا ہے۔اے صاحبِ اختیار اور کھڑپینچ لوگو!یہ بتاؤ غریب آدمی اپنی بیٹیوں کو دودھ کہاں سے پلائے؟روٹی کہاں سے کھلائے؟تعلیم کیلئے بھاری بھرکم فیسیں اور سٹیشنری کا خرچہ کہاں سے بھرے؟سکولوں،کالجوں اور یونیورسٹیز کے ہزاروں لاکھوں کے داخلے کہاں سے بھرے؟میرے دوست کی بیٹی نے نویں کلاس کا داخلہ بھجوانا ہے اسکا غریب باپ 9000 ہزار روپے کہاں سے ادا کرے؟ نوجوان بچیوں کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں وہ کہاں سے ادا کرے؟بجلی و دیگر چیزوں کے بل کہاں سے بھرے؟میرا ایک دوست مجھے اپنی بیٹی کی بات بتاتے رو پڑا کہ میری بیٹی زنگر شوارما کھانے کو ضد کررہی ہے جو 130 روپے کا آتا ہے مگر مجھ بدنصیب کی جیب میں 100 روپیہ بھی نہیں.اسکی بات سُن کر میرے بھی آنسو نکل پڑے کہ کاش میرے پاس 130 روپے ہوتے تو میں اسکی بیٹی کو شوارما لے دیتا.لیکن مجھے ایک طریقہ سُوجھا،میں نے اپنے دوست سے کہا دس منٹ میرا انتظار کرے،میں ابھی بچی کیلئے شوارما لاتا ہوں.میں شوارمے والے کے پاس گیا اور کہا بھائی میرے دوست کی بیٹی ہے جس کا شوارما کھانے کو دل کررہا ہے لیکن نہ پیسے اسکے پاس ہیں اور نہ ہی میرے پاس تُم پلیز مجھے ایک شوارما دے دو،میں تمہیں کل پیسے دے دوں گا.وہ اللہ کا بندہ مجھے جانتا نہ تھا مگر مجھ پر اعتبار کرکے اس نے شوارما دے دیا جو میں دوست کو اسکی بیٹی کیلئے دے آیا.اگلے دن میں نے شوارمے والے کو اسکے پیسے ادا کردیئے۔یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا غریب کے بچوں کا دل شوارما،پیزا اور بریانی کھانے کو نہیں کرتا؟انکو پیٹ نہیں لگے ہوئے؟انکی آنکھیں نہیں جن سے وہ دوسروں کو کھاتا دیکھتے ہیں اور دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے.غریب کے بال نے اپنے بچوں کو شوارما کیا کھلانا ہے وہ دو وقت کی روٹی ہی کھلالے تو بڑی بہادری اور ہمت کا کام ہے بیچارے کیلئے.ہمارا ایک اور مسئلہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں غریب سے ہمدردی کرنے کیلئے تقاریر اور تحریرات پتہ نہیں کہاں گمشدہ ہوگئی ہیں.ہمارے حکمرانوں اور مذہبی لیڈروں اور مذہبی علماء کے پاس غریب کی ہمدردی کے موضوع پر پتہ نہیں مواد ہے نہیں یا غائب کردیا گیا ہے.

اللہ اکبر اللہ اکبر۔غیر مسلم قوم کی انسانیت

یمن کا ایک طالب علم میڈیسن کی تعلیم کیلئے جرمنی آیا اور ہر امتحان میں کمال کے رزلٹ لاتا رہا اور ہر سال میڈلز بھی حاصل کرتا رہا۔یونیورسٹی کے سب طالبعلم اور اساتذہ دیکھ رہے تھے کہ 6 سال سے وہ اپنے گھر نہیں گیا۔۔چھٹیاں بھی یہیں کام کرکے گزارتا ہے اور نہ کبھی کوئی اسکے گھر سے ملنے آتا تھا۔معلوم کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ پیچھے گھر میں والدین انتہائی غریب ہیں اور خود یہ طالب علم 6 سال میں بھی اتنی بچت نہیں کرپایا کہ ان کو ملنے جانے کا ٹکٹ خرید سکے۔یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبا نے چپ چاپ کچھ فیصلہ کیا کہ اسکو بتائے بغیر اسکے والدین کو یونیورسٹی میں بلا کر اسے ملوایا جاوے۔دل تھام کر دیکھئے کہ انسان خوشی میں آنسو کیوں بہاتا ہے کیا ہم مسلمان ایسی مثالیں قائم کرسکتے ھیں۔؟

جہالت پر مبنی سوالات کے مدلل جوابات

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات ہر سوال کے نیچے اس کا جواب ترتیب سے موجود ہے،خود بھی پڑھیں اور دوست واحباب کو بھی تعلیم دیں۔1) ہر سال جشن سعودیہ منایا جاتا ہے جس کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔جواب 1۔جشن سعودیہ ہو یا جشن آزادی مبارک،یا کسی بھی ملک کا جشن،وہ دین سمجھ کر نہیں مناتے بلکہ قومی سطح پر مناتے ہیں،جیسے ہم

چودہ اگست مناتے ہیں بلکہ ہر ملک مناتا ہے۔کیا کبھی سعودی عرب کے یا کسی ملک کے مولوی نے کہا کہ ہمیں اس جشن پر ثواب ملتا ہے؟ جو نہیں کرتا وہ منکر اور گستاخ ہے، یہ دنیاوی مسلہ ہے، اس کو ملک کی سطح تک مناتے ہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ ملک کا جشن آزادی منانے سے جنت واجب ہوتی ہے، جو نہیں مناتا وہ کافر ہے!!!2۔ ہر سال غسل خانہ کعبہ ہوتا ہے جس کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں. جواب 2۔ ہائے کاش تم نے قرآن مجید پڑھا ہوتا، لفظ غسل ہے نا!! جب کوئی بریلوی غسل کرتا ہے تو کیا صرف کپڑے بدلتا ہے یا پانی بھی استعمال کرتا ہے؟؟؟ اللہ کے بندے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی ڈیوٹی لگائی کہ میرے گھر بیت اللہ کو رکوع کرنے، سجدہ کرنے اور اعتکاف کرنے والوں کیلیے صاف رکھو۔ دیکھیئے سورہ البقرہ:125 سورہ الحج:3736. مسجد کی صفائی کا اجر اگر تم جان لو تو خادم مسجد بن جاؤ، اور جو بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی شریف کا خادم ہے، وہ تکلیف دیتا ہے؟؟ ہائے کتنے لوگ صرف یہ خواہش رکھتے ہیں کہ یا اللہ!! اپنے گھر کا خادم ہی بنادے بس۔ ارے بریلوی بھائیو!!! پاکستان وہندوستان کے درباروں اور مزاروں پر قبروں کو جو عرق گلاب، اور عطریات سے معطر کیا جاتا ہے، وہ کونسا دین ہے؟؟؟ خود مردے کو مکھن لگاؤ تو جائز؟؟؟ ہم بیت اللہ کی صفائی کریں تو گستاخ؟؟؟3۔ ہر سال غلاف کعبہ تبدیل کیا جاتا ہے جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

جواب-3 دیکھو غلاف کعبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے چلا آرہا ہے اور جو نبی کے دور کی چیز ہے وہ دین ہے۔ گستاخِ رسول ابن خطل کعبہ کے غلاف میں چھپا تھا، صحابہ نے اسی جگہ ہی اسے قتل کیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلاف کعبہ پکڑ کر کعبہ کی چھت پر چڑھے۔ ابوجہل کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اللہ کو چیلنج کرتا تھا۔ اللہ کے گھر کا بہترین غلاف قرآنی آیات سے لکھا ہوا تمہیں بہت تکلیف دیتا ہے؟؟؟ ہائے عبداللہ شاہ غازی لال شہباز قلندر علی ہجویر یبابا فرید خادم حسین رضوی۔

ان سب کی قبروں پر کلمہ اور قرآن والی چادر کونسا دین ہے؟؟؟ 11 ہجری مدینہ کا ربیع الاول، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سفید سادہ یمنی چادروں میں کفن دیا گیا، کیا نبی سے محترم، مقدس، پاکیزہ، اعلی کوئی ہے؟؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جب نبی کریم کے جسم مبارک، آپ کے روضہ مبارک پر کوئی کلمہ قرآن والی چادر نہیں تو ان پیروں، فقیروں کی کیا اوقات ہے؟؟ میرے محترم!!! دین مدینہ سے آیا ہے وہی سے دین سیکھو۔ صرف مدینہ مدینہ کی رٹ سے دین نہیں ملتا۔4۔ غلاف کعبہ پر آیت لکھی جاتی ہے جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔ جواب نمبر 3 دوبارہ پڑھ لیں۔5۔ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں تہجد کی اذان ہوتی ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں۔ جواب 5- میرے محترم آپ کو ہم مطالعہ کی نصیحت کرتے ہیں کہ آپ مطالعہ کریں۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ تہجد کی آذان دیتے تھے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دیتے تھے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ حضرت ابومحذورہ کی آذان پر ہم سحری شروع کرتے تھے جبکہ حضرت بلال کی آذان پر ہم سحری ختم کر کے نماز کیلیے آتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابومحذورہ کی آذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے۔ صحابہ کی آذان پر تکلیف ہے؟ مگر اپنی خود ساختہ روش رات دو بجے کہ روزے دارو، اللہ نبی کے پیارو، اٹھو روزہ رکھو، سحری کے ٹائم میں گھنٹہ رہتا ہے، یہ کیا ہے؟؟؟؟ کاش!! سحری کی آذان دے کر سنت پر عمل کرتے، تم نے الٹا سنت کی مخالفت کی اور گستاخ بھی ہمیں کہا!!!

5۔۔ مدارس میں ہر سال ختم بخاری ہوتا ہے جس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں. جواب 6- بخاری شریف تو آپ بھی پڑھاتے ہیں، مگر تعجب یہ ہے کہ تم بخاری کی تعلیم کرتے کہاں ہو؟؟ صرف امام کے قول کی خاطر احادیث رد کرنے والو!! کس منہ سے بخاری شریف پر اعتراض کرتے ہو؟؟ بخاری شریف کی کتاب التوحید، کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الصلاۃ، کتاب الحیل، کتاب الوضو، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، اور بخاری کا عقیدہ و منہج کون اپنائے گا؟؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ دین سیکھنے آئے تو آپ نے فرمایا مرحبا۔ وہ حدیث کہ طالب دین کیلیے فرشتے اپنے پر بچھیلاتے ہیں، سمندروں کی مچھلیاں تک ان کیلیے دعائیں کرتی ہیں۔ وہ حدیث کہ پہنچا دو چاہے ایک آیت ہو۔ وہ حدیث کہ جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔ وہ حدیث کہ عالم دین کی حیثیت لوگوں میں ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کی ستاروں پر فوقیت۔ تمہارے لیے ایک شعر: پڑھتے ہیں بخاری جو بلا حب محمد آتا ہے بخاران کو، آتی نہیں بخاری۔7۔ محافل سجائی جاتی ہے جلسہ عام ہوتا ہے جس کا

قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

جواب نمبر6 دوبارہ دیکھیں 8۔ ہر سال تبلیغی اجتماع ہوتا ہے چلّے لگائے جاتے ہیں جس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

جواب8۔ میرے بھائی آپ کا مطالعہ آپ کی عقل سے بھی کمزور ہے۔سنیں برصغیر پاک وہند میں اللہ کے فضل سے جو دین پہنچا وہ ایک ثقفی نوجوان محمد بن قاسم کی بدولت پہنچا جو کہ 93 ہجری میں تشریف لائے۔لوگ امام ابوحنیفہ کو بڑا مانتے ہیں،93 ہجری میں امام صاحب صرف 13 سال کے تھے،باقی امام ان سے بھی بعد میں آئے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرقے تو اس وقت تھے نہیں تو محمد بن قاسم کونسا دین لائے تھے؟؟ وہ خالص قرآن وحدیث لائے تھے،صحابہ گھر نہیں بیٹھے تھے بلکہ دین کی نشر واشاعت کیلئے دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔آج بھی کتنے ایسے علاقے ہیں جہاں بجلی نہیں ہے مگر وہاں نماز ہوتی ہے یعنی دین پہنچ چکا ہے۔اگر آپ کو حلوہ کھانے سے فرصت ملے تو تھوڑا سا وقت نکالیں،ساتھ ہی مسجد ہے،اللہ،رسول کی بات ہوگی،تشریف لائیں۔

9۔صحابہ کرام علیہم الرضوان کے وصال کے ایام منائے جاتے ہیں جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔جواب-وہ شیعہ ہیں جو صحابہ کی وفات کے دن جشن مناتے ہیں اور آپ ان کے چھوٹے بھائی ہیں کہ نبی کریم کی وفات پر جشن مناتے ہیں۔کوئی اہل حدیث ایسا ہو جو کسی ایک صحابی کی وفات پر جشن،جلوس، یا غم ہی منا تا ہے،دلیل دینا آپ کا کام ہے،وہ کام کا رد کرنا اور اس سے رک جانا ہمارا کام ہے۔10۔جشن دیوبند واہل حدیث منایا جاتا ہے جس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

جواب10- مدرسہ دیوبند کا صد سالہ جشن وہ دیوبندی مناتے ہیں کہ ان کو سو سال گزر گئے۔اہل حدیث ایسا کوئی جشن نہیں منا تا کیونکہ اہل حدیث نبی کے دور سے چلے آرہے ہیں اور یہ دین کا اصول ہے کہ جو چیز نبی کے دور سے آرہی ہو ایک تو وہ معتبر ہوتی ہے، دوسرا اس کے حق ہونے میں شک نہیں ہوتا،تیسرا اس کو ثابت کرنے کیلئے جشن منا کر تماشہ نہیں کیا جاتا۔جب سے حدیث ہے اسی دن سے اہل حدیث ہے۔الحمداللہ۔11۔ ذکر میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا کسی صحابی ائمہ محدث و بزرگان دین نے منع کیا ہو اس کا بھی قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت نہیں جواب 11- کہتے ہیں منع دکھاؤ؟؟!! سوال یہ ہے کہ پورے دین میں کہیں نہیں لکھا کہ جو بندے ایک رکعت میں تین سجدے کرے وہ غلط کرتا ہے یعنی منع نہیں ہے،اس کا کیا مطلب سال میں ایک مرتبہ تین سجدے کر سکتے ہیں؟؟؟ کیا تین سجدے سے گناہ ہوتا ہے؟؟ حالانکہ منع تو کہیں نہیں ہے۔اسی طرح ایک سال میں دو عیدیں ہیں،تیسری کا کوئی ثبوت، دلیل ہے ہی نہیں کیونکہ...جس طرح دو سجدوں کا حکم ہے بالکل اسی طرح دو عیدین کا حکم ہے۔اسی طرح کی ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔لیکن جیسے ہی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کی بات آجائے سارے نام ونہاد مفتی دین کے ٹھیکیدار کھڑے ہو جاتے ہیں اور شرک و بدعت کا شور الاپنا شروع کر دیتے ہیں۔جبکہ انہیں خود شرک و بدعت کی تعریف نہیں معلوم۔

جواب....جب اہل حدیث شرک و بدعت کی صرف تعریف کرتا ہے تو تم چیختے ہو کہ بتوں والی آیات ہم پر فٹ کر رہے ہو؟؟ ہم کہتے قبر پرست اور بت پرست میں فرق آپ بتائیں، ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔ہم اپنے نبی پاکؐ سے یوں پیار کریں گے ہر حال میں سرکار کا میلاد کریں گے.ارے محترم جناب!!! نبیؐ سے پیار میلاد النبیؐ میں نہیں بلکہ اتباع رسول میں ہے۔ ہدایت صراط مستقیم جنت کا داخلہ نجات حوض کوثر شفاعت کبریٰ یہ سب چیزیں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں بس۔جو ان سے پھر گیا وہ جہنم کا مسافر ہے۔دیکھئے۔

(سورہ آل عمران:31۔سورہ النساء:115)

سوال بھی غلط اور جواب بھی غلط بیت اللہ کی چادر میں جس کو قتل کیا یہ تاریخ میں ہے حدیث میں نہیں ہے۔

جشن سود یہ ماننا بھی غلط ہے گناہ ہے جو نبی کی سنت چھوڑ کر یہود نصاریٰ کی تقلید کرے گا وہ ان میں سے ہوگا سالانہ ملک کا جشن بنانا یہود نصاریٰ کا طریقہ ہے نبی کا نہیں ہے جیسے جشن ربیع اول غلط ہے ویسے ہی جشن سعودیہ اور خاص خانے کعبہ کو غسل دینا سب خرافات ہے پاک۔صاف رکھنا ہے غسل نبی سے ثابت نہیں ماسوا انسان کے بس انسان غسل کرے گا باقی سب چیزوں کو پانی سے پاک کیا جائے گا ہر سال غلاف کعبہ تبدیل کرنے کی کوئی دلیل ہے؟۔نہیں ہے اور قرانی آیات لکھنے کی کوئی دلیل ہے نبی نے غلاف کعبہ بنایا؟ سب خرافات ہے بدعت ہے جسے بارہ ربیع اول بدعت ہے۔

***

افسانہ

مبشرہ ناز

میں منظور موچی کا بیٹا

کمال کرتے ہیں آپ ابّا جی کتنی دفعہ آپ کو منع کیا ہے سڑو کے مار مار کر چائے مت پیا کریں۔ رابعہ! رابعہ کہاں ہو غصے سے میں نے بیوی کو آواز دی وہ بے چاری گھبرا کر دوڑی چلی آئی۔ شام کو کمال آئے گا اچھی سی چائے کا انتظام کر لینا اور ہاں ابّا جی، انہیں ان کے کمرے میں چائے دینا، ڈبو ڈبو کر بسکٹ کھانے سے بھی باز نہیں آتے۔

''حد کرتے ہیں آپ بھی ابّا جی سن رہے تھے'' رابعہ نے ناگواری سے کہا وہ ابّا جی سے بہت محبت کرتی تھی۔ شرمندگی سے مڑتا اُن کا مضطرب وجود میں نے دیکھا ہی نہیں۔ کمال سے میری دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی کچھ عرصہ پہلے ہی اس کا تبادلہ میرے دفتر میں ہوا تھا۔ اللہ کے اپنے کام ہیں اور اپنے ہی بندوبست...! شام کو کمال آیا ساتھ میں اس کے والد صاحب بھی تھے۔'' یار میں شام زیادہ تر اپنے ابّا جی کے ساتھ ہی گزارا کرتا ہوں۔ آج گھر میں بھی کوئی نہیں تھا تو سوچا انہیں ساتھ لے چلتا ہوں''۔ کیوں نہیں کیوں نہیں بہت خوشی ہوئی اچھا کیا یار میں نے کہا...!'' کی حال اے برخوردار ''میرے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔ شُکر ہے اللہ کا کہتے ہوئے میں ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھک میں چلا آیا۔ سفید داڑھی نورانی چہرے والے شفیق بزرگ۔ پہلا تاثر مُجھ پر یہی پڑا۔ صوفے پر بیٹھ کر ابّا جی نے بڑے آرام سے ٹانگیں اوپر کیں اور آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ اپنی ناگواری چھپاتے ہوئے میں نے دیکھا، کمال نے جھٹ آگے بڑھ کر ان کی ٹانگیں اوپر کرنے میں ان کی مدد کی۔ اوہ کتنا شرمندہ کرواتے ہیں یہ بزرگ بھی۔۔۔! میں کمال کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ ہرگز شرمندہ نہیں تھا، اس کے چہرے پر بڑی نرم مسکراہٹ تھی۔ ابّا جی کی کمر کے پیچھے کُشن رکھتے ہوئے اُس نے پوچھا آپ ٹھیک بیٹھے ہیں نا ابّا جی؟'' آہو پُتّر'' چائے لگنے تک آدھے گھنٹے میں اس نے دو تین مرتبہ پوچھا ابّا جی آپ ٹھیک ہیں بور تو نہیں ہو رہے۔'' او کاکے تُسی گلّاں باتاں کرو میں سن رہا ہوں تاڈیاں پڑھیں اں لکھیاں گلّاں اور خوش ہو رہا ہوں'' '' کاکے'' اب تو کمال کو ضرور بُرا لگا ہوگا۔ مگر وہ ہنس دیا۔ ایک بیٹے کی باپ کے لیئے یہ خُوبصورت نرم ہنسی جنّت کی نوید تھی یقیناً'' ہمارے ابّا جی نے ہمیں پڑھانے کے لیئے بہت محنت کی ہے کتابیں جلد کیا کرتے تھے۔ آمدنی ہی کتنی ہوتی ہے، ہم دو وقت کھاتے اور ابّا اماں اکثر ایک وقت اور کبھی تو ایک وقت کا بھی مُیسّر نہیں ہوتا تھا'' والد کا ہاتھ پکڑ کو بوسہ دیتے ہوئے کمال نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں عقیدت کے آنسو تھے وہ اپنے حسب نسب پر ہرگز شرمندہ نہیں تھا۔

چائے لگ گئی۔ رابعہ بلانے آئی تو کمال کے والد نے'' اوآ...! دھیئے رانیئے ماشاء اللہ ماشاء اللہ'' کہتے ہوئے اس کے سر پر پیار دیا۔ اُسے بالکل بھی برا نہیں لگا تھا۔ محبت سے انہیں ٹیبل پر لے گئی۔ پرچ میں چائے ڈال کر سڑو کے مار مار کر پیتے ابّا جی کا کئی دفعہ کمال نے نیپکن سے منہ صاف کیا۔ اس کے ہاتھوں میں اس قدر نرمی اور محبت تھی کہ قلم ہوتے تو محبت کی لازوال داستان لکھتے، دِل ہوتے تو نثار جاتے، آنکھیں ہوتے تو واری ہی چلے جاتے۔۔۔! رابعہ کمال کی اس قدر محبت اور شفقت پر حیران تھی اس نے دُکھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اُس کی نظروں نے مُجھے آسمان سے زمین پر لا پٹخا۔ میں جن کے وجود کا حصہ تھا جن کی دُعاؤں اور محنتوں کا ثمر تھا انہی کی ان معصوم سادہ اداؤں سے نالاں تھا شرمندہ تھا۔ میں منظور موچی کا بیٹا اپنے باپ کے حسب نسب پر شرمندہ تھا۔ بیٹے کو بڑا افسر بنانے کے خواب نے جس کے ہاتھوں میں چھید کر دیئے تھے۔ رات رات بھر جاگ کر کام کرتے ہاتھ تھکتے نہیں تھے۔ پُتّر کی فیس جو جمع کروانی ہوتی۔ دل سینے کی بجائے انگلیوں کی پوروں میں بسا رکھا تھا ابّا جی نے۔ کام ایسا کہ سارا شہر ابّا جی کی ہنرمندی کی تعریف کیا کرتا تھا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں میرے رویئے سے انگلیوں کی پوروں میں بستے اس دل پر کیسے گھاؤ لگے ہوں گے۔ انا کے پنجرے میں قید سوچ کا پرندہ پنجرہ کھلتے ہی مثبت سمت میں پرواز کرنے لگا۔ میں کمال سے معذرت کر کے ابّا جی کو بلانے چلا آیا۔ انہیں لا کر پیار سے کرسی پر بٹھایا چائے کی پیالی سامنے رکھی اور بسکٹ چائے میں ڈبو کر اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگا۔ ابّا جی نے حیرانی سے میری طرف دیکھا کچھ کہا نہیں ان کی آنکھوں کی نمی اپنی کم مائیگی کی دہائی دے رہی تھی۔ ان آنکھوں کی نمی میں تیری بخشش ہرگز نہیں...! میں نے پیار سے ان کی داڑھی میں لگی چائے صاف کرتے ہوئے سوچا اور کمال کی موجودگی کی پروا کیئے بغیر ان کے قدموں میں بیٹھ کر ہاتھ جوڑ دیئے۔ میرے آنسو رکتے نہ تھے، مجھے قرار نہ تھا۔ ابّا جی میرے پیارے ابّا جی، معاف کر دیں اپنے نالائق بیٹے کو معاف

کردیں ان کی ہتھیلیوں کو دیوانہ وار چومتے میں معافی کا طلبگار تھا۔منظور موچی کا اعلیٰ عہدے پر فائز نااہل بیٹا۔ابّا جی نے میرا ماتھا چُوما جھلا چل ادھر اوپر بیٹھ میرا افسر پُتّر۔۔۔!''اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا...

روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی''

کچھ ایسی ہی میری بھی کیفیت تھی۔میں نے کہا نا اللہ کے اپنے کام ہیں اور اپنے ہی بندوبست۔میری کوئی ادا اسے پسند آ گئی تھی شاید تبھی میری ہدایت کا بندوبست کر دیا تھا۔مگر میں کم ظرف اس قابل کہاں۔قمیص کے کونے سے ابّا جی کو آنسو صاف کرتے دیکھ کر میں نے سوچا۔میں ناقدرا تھا میرا ربّ نہیں ابّا جی کی انگلیوں کی پوروں میں بستے دل کی اُس کے ہاں بڑی قدر تھی۔

***

محترم عبدالکریم قدسی کے لئے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

کے چند اشعار بطورِ ہدیہء تبریک

قدسی کا علم و فن میں نمایاں مقام ہے
اللہ کی طرف سے یہ اعلیٰ انعام ہے
ایسا ہے وصفِ خاص کہ ان کا رواں قلم
لہرا رہا ہے ہاتھ میں الفاظ کا علَم
سب مانتے ہیں ان کو کہ وہ ہیں سخن کے پیر
بزمِ ادب میں آج ہیں وہ ذاتِ بے نظیر
تاریکیوں کے شہر میں روشن دماغ وہ
سینہء تار شب پہ ہیں مثلِ چراغ وہ
رب سے مِری دعا ہے کہ منصب عظیم ہوں
علم و ادب کے بادشاہ عبدالکریم ہوں

دنیا کے مشہور ترین ملحدین (Atheists) نے مرتے وقت کیا کہا

مبشر شہزاد گلاسگو

1۔بورجیا: میں اپنی زندگی میں موت کے سوا ہر چیز کی تیاری کرتا تھا، اوراب جب میں مرنے والا ہوں تو موت کے لیے تیار نہیں۔

2 تھامس ہوبس: یہ ایک سیاسی فلسفی تھا، مرتے وقت کہتا ہے:''میں اس وقت اندھیروں میں گرا پڑا ہوں، کوئی مجھ سے پوری دنیا لے لے اور صرف ایک دن زندگی دے دے۔

3۔تھامس پین: یہ اٹھارہویں صدی کا ملحد مصنف ہے جس نے مرتے وقت کہا: میں اس وقت ایسے عذاب میں ہوں کہ مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور بلاشبہ جو میں نے کیا ہے میں اسی عذاب کا مستحق ہوں، اگر آج میرے پاس پوری کائنات ہوتی اور اس دنیا کے مثل ایک اور دنیا بھی ہوتی تو میں اس تکلیف کے بدلے دے دیتا۔آج مجھے اللہ نظر آ رہا ہے جبکہ میں پوری زندگی شیطان کا چیلا بنا رہا۔

4۔سر تھامس اسکاٹ:''یہ ایک انگریزی مشیر تھا جو 1594ء میں فوت ہوا، اورمرتے ہوئے کہہ رہا ہے: لمحوں پہلے تک میں کسی معبود یا آگ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا تھا، لیکن اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اصلی ہیں اوراللہ کا وجود بھی ہے، اب جبکہ میں عذاب کے راستے پر ہوں اور یہ اللہ کی عدالت ہے۔''

5۔والٹیئر: یہ ایک فرانسیسی فلسفی ملحد تھا، جس نے اپنے معالج ڈاکٹر فوکن کو مرتے وقت اپنی بات کی ہدایت کی تھی: اگر تم مجھے چھ ماہ زندگی اور صحت اوردے سکو تو میں تمہیں اپنے پاس موجود آدھی دولت سے نواز دوں گا، اب میں مر رہا ہوں اور جہنم میں جا رہا ہوں!

6۔نرس ولٹیئر: اگر دنیا کی ساری دولت بھی یورپ کو دے دی جائے تو میں کسی ملحد کو نہیں دیکھنا چاہتا میں خود اس وقت تکلیف میں مبتلا ہوں اور پوری رات بخشش کے لیے چیخ رہا ہوں۔

7۔ڈیوڈ ہیوم: یہ ایک سکاٹش مورخ ملحد ہے جس نے 1776ء میں مرتے وقت چیختے ہوئے کہہ رہا تھا: آگ نے مجھے اپنی شعلوں سے جلا دیا وہ

اپنی موت کے وقت بہت مایوس تھا۔

8 -نپولین بوناپارٹ: فرانسیسی شہنشاہ، جس نے اپنی بادشاہت کی بھوک کو پورا کرنے کے لئے لاکھوں افراد کو قتل کیا، دنیا کی حکمرانی کو بہت پسند کرتا تھا مرتے وقت کہنے لگا: دیکھو، میں اپنے وقت سے پہلے ہی مر کر زمین کی اصل طرف لوٹ آیا ہوں، حالانکہ میں سب سے بڑا فرانسیسی شہنشاہ ہوں، میں جس گڑھے میں پڑا ہوں اس میں اور ہمیشہ کے باغ (جنت) کے درمیان بہت فرق ہے۔

9-سرفرانسس نیوبرٹ: یہ برطانوی ملحدین کلب کا سربراہ تھا اس نے اپنی موت کے وقت اپنے بستر کے چاروں طرف والوں کو بتایا: مجھ سے یہ مت کہو کہ کوئی معبود نہیں، کیوں کہ میں اب اس کی موجودگی میں ہوں، اور مجھے یہ مت کہو کہ کوئی جہنم نہیں ہے، کیوں کہ اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس جہنم میں پھسل رہا ہوں۔ اگر میں ہزار برس بھی زندہ رہتا تو اس آگ کو جھٹلاتا رہتا اور اب ہزاروں سال بعد بھی مجھے اس آگ سے خلاصی ملنے والی نہیں، آہ آہ یہ آگ مجھے جلائے جا رہی ہے۔

11 -کنگ چارلس IX: یہ ایک فرانسیسی بادشاہ تھا جس نے 1572ء میں فرانس میں دسیوں ہزار پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو مار ڈالا کیونکہ وہ کیتھولک مذہب میں نہیں تھے۔ اس نے موت سے پہلے اپنے ڈاکٹروں سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ جن کو میں نے قتل کیا وہ میرے سامنے سے گزر رہے ہیں اور ان کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور وہ میری طرف اشارہ کر رہے ہیں، مجھے اپنا ٹھکانہ نظر آ رہا ہے، میں نے ایسے گناہ کیے جو ہمیشہ مجھے سزا دیتے رہیں گے۔

11 -ڈیوڈ اسٹراس: یہ ایک جرمن قوم پرست ادیب تھا جو 1874ء میں فوت ہوا۔ مرتے ہوئے کہنے لگا: میرے فلسفے نے مجھے ذلیل کر دیا اور میں اس وقت اپنے آپ کو دانتوں والی مشین کے جبڑے میں محسوس کر رہا ہوں جو مجھے کسی بھی لمحے کچل دے گی۔

12 -امریکی میگزین ''نیوز ویک'' کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں، روسی کمیونسٹ جوزف اسٹالن کی بیٹی سویتلانا اسٹالن نے اپنے والد کے انتقال کے وقت کی بات کرتے ہوئے کہا: میرے والد کی موت بہت خوفناک تھی۔ اس نے اپنی موت کے لمحے اچانک آنکھیں کھولیں پاگل اور غصیلی نظروں سے وہاں موجود لوگوں کی طرف دیکھا، اور اپنے بائیں ہاتھ سے ہمارے اوپر اشارہ کیا کہ کوئی چیز مجھے آگ میں دھکیل رہی ہے، ایسی موت احساس محرومی کی علامت ہے۔

13 -انتون لیوی: چرچ آف شیطان کے بانی اور بائبل آف شیطان کے مصنف، جو 1997 میں فوت ہوا، روتے ہوئے کہا: آہ! یہ میں نے کیا کیا... میں نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور استغفار کر رہا تھا!!

ماخذ: (العلمانیۃ؛ للدکتور سفر الحوالی، والدکتور الصلابی) دوستو! یہ وہ چند مشہور ملحد تھے جو اللہ کے وجود کو ہی نہ مانتے تھے، اور مرتے وقت سب سے پہلے اللہ ہی کو پکارا، سبحانك یارب ما أعظمك اے اللہ! پاک ہے تو تُو کس قدر عظمت و بڑائی والا ہے۔

ریاض ساغر، یوپی (انڈیا)

ہمارا عشق جس کے ساتھ معیاری رہا برسوں
اسی کے نام سے ہم پر ستم جاری رہا برسوں
ستم یہ ہے شکستہ حال ہیں ہم اس ریاست میں
ہمارے نام کا سکہ جہاں جاری رہا برسوں
اسی کو سونپ دی ہم نے حفاظت اپنے خیموں کی
وہ آدم خور جو لاشوں کا بیوپاری رہا برسوں
شناسا تھا ہمارے درد کی لذت سے وہ لیکن
ہمارے غم میں مصروف اداکاری برسوں
مصائب لاکھ آجائیں مگر جھکنا ہے ناممکن
یہ وہ سر ہے کہ جس پر تاج خودداری رہا برسوں
تکلف ہے، تصنع ہے، اداکاری بھی ہے اس میں
بیچارہ کیا کرے شاہوں کا درباری رہا برسوں
سفر کتنا انوکھا تھا وہ راہ عشق کا ساغر
پہنچ کر منزل مقصد پہ بھی جاری رہا برسوں

ایک پنسل کی طرح زندگی گزارو

سبق آموز تحریر

ایک عالم دین پنسل سے بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے ان کا بیٹا قریب آیا اور تتلاتے ہوئے دریافت کیا: بابا! آپ کیا لکھ رہے ہیں؟ اس عالم دین نے مسکراتے ہوئے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! میرے لکھنے سے بھی زیادہ اہم یہ پنسل ہے جس سے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تم بڑے ہو جاؤ تو تم اس پنسل کی طرح بنو! اس بچے نے تعجب آمیز نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور پھر بڑے غور سے پنسل کو گھورنے لگا اور وہ اس کی کسی ایسی خصوصیت کو تلاش کرنے لگا جس کی بنیاد پر بابا جان اس سے پنسل جیسا بننے کا مطالبہ کر رہے تھے بڑی دیر تک پنسل کو دیکھنے کے بعد اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جو اس کے ذہن کو کھٹکتی اور اب بچے سے رہا نہ گیا آخر کار باپ سے معلوم کر بیٹھا! بابا جان اس پنسل میں ایسی کون سی خصوصیت ہے جس کے سبب آپ کی خواہش یہ ہے کہ میں بڑا ہو کر اس جیسا بنوں!

اس عالم نے کہا: اس پنسل میں ۱۵ اہم خصوصیات ہیں اور تم یہ کوشش کرو کہ بڑے ہو کر تمہارے اندر بھی یہیں خصوصیات پیدا ہوں۔

1۔ تم بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہو لیکن کبھی یہ مت بھولو کہ کوئی ہاتھ ہے جو تمہیں چلا رہا ہے اور تم سے یہ کارنامے کروا رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہے۔ 2۔ کبھی کبھی جب اس کی نوک گھس جاتی ہے تو کٹر یا چاقو وغیرہ سے اسے تراشا جاتا ہے اگرچہ یہ ایک اذیت ناک چیز ہوتی ہے لیکن بہرحال اس کی نوک تیز ہو جاتی ہے اور پھر یہ اچھے سے کام کرنے لگتی ہے پس تمہیں بھی یہ جان لینا چاہیئے کہ انسان کو اگر کوئی دکھ اور صدمہ پہونچتا ہے وہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ تم بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکو۔ 3۔ پنسل یہ اجازت دیتی ہے کہ اگر کچھ غلط تحریر ہو جائے تو تم ربر سے اس مٹا کر اپنی غلطی کی اصلاح کرسکو پس تم یہ سمجھ لو کہ ایک غلطی کو صحیح کرنا غلطی نہیں ہے۔ 4۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ پنسل کی لکڑی اور اس کا خول لکھنے اور تحریر کرنے کے کام نہیں آتا بلکہ لکھنے کے کام ہمیشہ وہ مغز آتا ہے جو اس لکڑی کے اندر چھپا ہوا ہوتا ہے پس ہمیشہ تم اس چیز کا خیال رکھو کہ تمہارے جسم کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں ہے بلکہ اس کے اندر چھپی تمہاری روح اور ضمیر قدر و قیمت والا ہے جسم نہیں! 5۔ پنسل جب کچھ لکھتی ہے تو اپنے کچھ نقوش کاغذ پر چھوڑ دیتی ہے جو مدتوں کاغذ پر دیکھے جاسکتے ہیں پس تم بھی یہ بات سمجھ لو کہ تم جو بھی کام کرو گے اس کے نقوش تمہارے بعد باقی رہیں گے اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم کیسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہو پس کسی عمل کو انجام دینے سے پہلے کئی بار غور و فکر کر لو کہ کہیں تم کچھ غلط تو نہیں کر رہے ہو۔

***

مسکراہٹیں بکھیرنے والے

ممتاز ملک صاحبہ۔ پیرس فرانس

منور ظریف، رنگیلا، عمر شریف، معین اختر، امان اللہ، ببو برال، مستانہ، البیلا، شوکی خان اور ان جیسے بہت سے نامور کامیڈینز۔ جنہوں نے غربت کی گود میں آنکھ کھولی۔ گھروں سے فاقہ مستیاں اور بدحالیاں دیکھ کر ہوش سنبھالنے والے بچپن سے گزرے اکثر کو تو سکول کا منہ تک دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ ان میں سے ہر ایک بچہ بھوک و افلاس کی گود سے اُٹھ کر نشئی یا تماشائی نہیں بنا، چور اور لٹیرا نہیں بنا۔ اپنے وقت کو بدلنے کے لیئے انہوں نے کوئی شارٹ کٹ نہیں اپنایا۔ اپنے آنسوؤں سے قہقہے نچوڑ کر انہوں نے دکھی لوگوں کو مسکراہٹیں بانٹیں۔ ان کی تو پوری زندگی ایک روشن مثال ہے۔ حکومت سندھ نے عمر شریف کی تدفین اُنکی خواہش پر کی تو وہاں کی ایک سڑک کو بھی اُنکے نام سے منسوب کر دیا۔ جس پر کچھ دل جلوں کو شدید اعتراض ہوا۔ ان سب سے سوال ہے کہ ہمارے ہاں منافق معاشرے میں تو لوگ سگے ماں باپ کے مسکراہٹ چھین کر جوان ہوتے ہیں وہاں عمر شریف جیسے لوگ ہمیں پھر سے مسکرا کر زندگی میں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ اس لیئے میں حکومتی فیصلہ کی تائید کرتی ہوں۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنے بچے کو بھانڈ میراثی بنانا پسند کرینگی؟ تو ان سب کو میرا یہی جواب ہے کہ ایک دہشت گرد بننے سے، سمگلر بننے سے، قاتل و زانی بننے سے، چور اور ڈکیت بننے سے کروڑ ہا درجے اچھا ہے کہ انسان ایک ایسا بھانڈ میراثی ہی بن جائے۔ جو اس معیار پر شگفتگی کو لیجائے، جنہوں نے اپنے آنسوؤں سے قہقہے نچوڑے اور دنیا کے غموں کو ہلکا کرنے کے لئے انہیں اپنی شگفتگی کا کندھا پیش کر دیا۔ دنیا میں ان کی زبان جاننے والے اردو پنجابی ہندی بولنے اور سمجھنے والے ان کے اس خزانے سے ہمیشہ خوشیوں کے موتی چنتے رہیں گے۔ اور اپنے غموں سے باہر نکلنے کے لئے ان کی زندگیوں کو روشن مثال بنا کر اپنے سامنے رکھیں گے۔ آج ہی کے کیا، ہر دور میں جہاں ماں باپ کی جدائی یا وفات کا یا غربت کا بہانہ بنا کر اولادیں نشے تماشے اور بدکاریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ جہاں جرائم کی دنیا کے یہ اُستاد بن کر ساری زندگی لوگوں کے لئے بدنامی اور عذاب بن جایا کرتے ہیں۔ جہاں ان کی دہشت اور بدنامیوں سے تنگ اُنکے اپنے بھی انکے نام کیساتھ اپنا نام جوڑنا پسند نہیں کرتے وہاں ان ناموں کے مسکراتے چراغ ہمیشہ روشنی بکھیرتے رہیں گے۔ جگنو بنکر راستہ دکھاتے ہیں گے۔ کسی نے 4 سال کی عمر سے مزدوری کی۔

کسی نے جوتے پالش کیئے۔کسی نے اخبار بیچے۔کسی نے بسوں میں میٹھی گولیاں بیچیں۔کبھی کام نہ ملا تو راتوں کو بھوکے پیٹ میٹھے سپنوں کے سہارے بسر کرلیا۔ لیکن خود کو کبھی کہیں گرنے نہیں دیا۔چوریاں نہیں کیں۔کسی کی جیب نہیں کاٹی۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا۔کسی امیر آدمی کی بیٹی کو بہلا پھسلا کر اسے گھر سے زیورات لانے کا کہہ کر اُسے کسی کوٹھے پر نہیں بیچا۔گھر داماد بنکر کسی کے مال مفت پر آرزوؤں کے مینار کھڑے نہیں کیئے۔ بلکہ محنت اور ایمانداری کے ساتھ اللہ پر توکل کیئے ہر محنت مشقت کے بعد اپنے شوق میں ہی اپنا رزق تلاش کرتے رہے اور یوں اللہ کو ان پر جب پیار آیا تو اس نے انہیں ان کی نیتوں اور محبتوں کا ثمر چھپر پھاڑ کر دیا۔دنیا میں انہیں ان کے فنِ مزاح کا وہ مرتبہ عطا کیا کہ جس کا تصور کوئی بڑے سے بڑا اعلیٰ تعلیم یافتہ مزاح نگار بھی نہیں کرسکتا۔یہ بچے جنہیں اسکول کا منہ بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا انہیں ان کے مطالعے اور لوگوں کو انکی حرکات وسکنات کو پڑھنے اور انہیں اپنے ذہن میں اُتارنے کی خوبی نے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔اب جو بھی کوئی مزاح کے میدان میں آئے گا وہ ان سب سے ہی ان کے کام سے سیکھ کر ہی آئے تو آئے وگرنہ ان جیسا کام اب اور کسی کے بس کی بات نہیں۔یہ کرم خاص خاص لوگوں پر ہی ہوا کرتے ہیں۔اور ایسے لوگ صدیوں ہی میں کہیں پیدا ہوا کرتے ہیں۔بیمثال۔بہترین۔نایاب اور کامیاب لوگ۔

جناب اجمل نیازی صاحب بھی رخصت ہو گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر اجمل نیازی 1947ء میں موسیٰ خیل (ضلع میانوالی) میں پیدا ہوئے، گورنمنٹ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں طالب علمی کے دوران راوی اور محور کی ادارت کی، مختلف مجالس سے وابستگی رہی، گارڈن کالج راولپنڈی اور گورنمنٹ کالج میانوالی میں لیکچرار رہے، بعد ازاں گورنمنٹ کالج لاہور اور ایف سی کالج میں تعینات رہے، روزنامہ نوائے وقت میں ''بے نیازیاں'' کے عنوان سے کالم لکھتے رہے ہیں. حکومت پاکستان نے ستارہ امتیاز سے نوازا۔تصانیف...مندر میں محراب (1991ء، سفرنامہ بھارت) جل تھل (1980ء، تذکرہ شعرائے میانوالی)

محمد الدین فوق (1987ء کتابیات) بے نیازیاں (کالمز کا مجموعہ)

(ادارہ)

افسانہ مبشرہ ناز

انمول رتیاں

پھیکے کا بڑی خوشی خوشی لنگر خانے سے فون آیا کچھ دیر پہلے لنگر خانے میں ایک صاحب آئے تھے۔ بہت بڑے آدمی تھے جی۔۔۔! کہیں دور سے آ رہے تھے۔گاڑی اچانک خراب ہونے کی وجہ سے انہیں لنگر خانے کے باہر رُکنا پڑا۔، میں باہر صحن میں ہی پودوں کو پانی دے رہا تھا صاحب جی میں نے ان کا حال احوال پوچھا اپنا اور لنگر خانے کا تعارف کروایا۔اور انہیں کھانے کی دعوت دی۔۔۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنی ورکشاپ میں فون کر کے مستری بھیجنے کا کہہ کر کہنے لگے چل یار کیا یاد کرے گا کھلا دے کھانا۔۔! صاحب جی انہیں لنگر خانے کا کھانا بہت زیادہ پسند آیا۔کھانے کے بعد بڑے شوق سے انہوں نے سارے لنگر خانے کا معائنہ کیا۔کھانے اور صفائی کے معیار سے بہت خوش اور مطمئن ہوئے صاحب جی اللہ کا کرم دیکھیں انہوں نے لنگر خانے کے ساتھ غریب مسافروں کے لیئے سرائے بنانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کا خرچہ اُٹھانے کی حامی بھی بھر لی۔۔۔! اور صاحب جی اپنے پوتے کے عقیقے کا کھانا بھی لنگر خانے سے بنوانے کا ارادہ ظاہر کیا۔! پھیکا بہت خوش تھا۔خوش تو میں بھی بہت تھا اور حیران بھی۔گاڑی کا لنگر خانے کے باہر خراب ہونا اور پھر سب سے عجیب بات اُن کا کھانے کی دعوت قبول کرنا۔۔۔اللہ کے کام اللہ ہی جانے چند دن پہلے ہی پھیکے نے سرائے بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ بڑا لاڈلا تھا پھیکا اللہ بہت سُنتا تھا اُس کی۔۔اپنے لیئے بھی کبھی کچھ مانگ لیا کر پھیکے تیری بڑی سُنتا ہے اللہ کہنے لگا مانگا تھا صاحب جی۔۔! اچھا کیا مانگا۔۔؟ یہ میں آپ کو کچھ دن کے بعد بتاؤں گا دھیمے لہجے میں خدا حافظ کہا اور فون بند ہو گیا۔۔! وہ یقیناً مسکرا رہا تھا۔ کچھ دن کے بعد پھیکے نے مجھے لنگر خانے بُلا بھیجا۔کچھ ضروری معاملات تھے میں پہنچا تو کہنے لگا انہی بڑے صاحب کا فون آیا تھا صاحب جی اُن کے پوتے کے عقیقہ ہے جی اگلے جمعہ کو کھانا بنانے کا آڈر ہمیں مل گیا ہے۔صاحب جی! وہ صاحب تو وعدے کے پکے نکلے۔ پھیکا بہت خوش تھا اسکی آواز خوشی سے کھنک رہی تھی ارے واہ اچھا یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔پھر ایک دم اُس لہجے کی کھنک ماند سی پڑ گئی، ''صاحب جی پر کھانے کا وقت رات کا ہے'' تو کیا ہوا یار آج کل تو رات کی دعوتوں کا ہی رواج ہے۔! صبح ہو جائے گی صاحب جی ساری رات تو وہیں کھپ جائے گی۔ پھیکے کے لہجے میں

عجیب سی اداسی تھی سارا عملہ تیرے ساتھ ہے پھیکے تو پریشان کیوں ہوتا ہے پھر سارے معاملات پھیکے کے ساتھ طے کرنے سامان کی لسٹ بنانے سامان آڈر کرنے کے اور سارے عملے کو ذمہ داری بانٹنے کے بعد میں گھر چلا آیا۔ پھیکا یوں گھبرانے والا نہیں تھا، نہ ہی اس کی اداسی بے معنی تھی۔ دعوت والے دن رات سے زرا پہلے ہی پھیکا چلا آیا۔ میں حیران رہ گیا ارے یار پھیکے تُو یہاں آج تو دعوت تھی خیر ہے نا، مبارک دیں صاحب جی سب کام سوہنے نبڑ گئے جی۔۔ سب کو کھانا بہت پسند آیا۔ بہت مبارک ہو پھیکے مگر دعوت تو رات کی تھی۔۔؟ صاحب جی یہ رات کی دعوتوں کا رواج جانے کہاں سے پڑ گیا۔ میرا جی بڑا جلتا کڑھتا ہے جی، ہم عربی ڈھولے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نماز روزہ کرنے والے ہماری راتیں کوئی عام راتیں تھوڑی ہیں۔۔ رات کا جادو بڑا ظالم ہوتا ہے صاحب جی سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ہم اپنی راتیں دعوتوں میں کیسے لُٹا دیں آبِ ایمان سے بھری مصلے پر چھلکنے کو بے تاب انمول رتیاں نہ صاب جی نہ یہ دعوتوں میں برباد کرنے کی چیز تھوڑی ہے، اس پر تو خالص اللہ کا حق ہے۔ رات دعوتوں میں جاگ کر گزاریں گے تو پچھلا پہر تو آپے شیطان کے حوالے ہو گیا نا صاحب جی اور سانجھرے کی نماز سے بھی گئے۔ اور پھر دیر سے کھانا صحت کی بھی بربادی صاحب جی یہ جو پیٹ ہے نا صاحب جی یہ بڑی بُری چیز ہے نہ خالی چنگا تے نہ بُہتا بھریا ہویا۔ بس جی میں اللہ کا نام لے کر بڑے صاحب کے گھر گل بات کرنے کے لیئے چلا گیا۔۔ اُن کی اماں جی بھی تھیں صاحب جی میری گل سُن کر کہنے لگیں پُتر تو نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں ان رات کی دعوتوں سے بڑی تنگ ہوں۔ اور پھر صاحب جی میرے منگتے کے ساتھ وہ بھی پُتر کے سامنے منگتی بن گئیں اور منا کر ہی دم لیا۔ دوپہر کی نماز کے بعد روٹی کھوا پیا کر ہم ٹیم سر ویلے بھی ہو گئے جب بڑے صاحب نے عقیقے کا کھانا پکوانے کا ارادہ کیا تھا نا صاحب جی۔! اُسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ میں انہیں دوپہر کی دعوت کا کہوں گا۔!

آپ اُس دن کہہ رہے تھے نا اپنے لیئے بھی کچھ مانگ لیا کر تو صاحب جی میں نے اللہ سے اس دن یہی مانگا تھا اور دل سے دعا کی تھی کہ ان رات کی دعوتوں کا رواج ختم کرنے میں میری مدد کرے۔ رات یوں محفلوں میں لُٹانے کی چیز نہیں صاحب جی۔ اس کے ماتھے پر سجدے کا جھومر ہی سجتا ہے۔ اپنے لیئے مانگا بھی تو کیا۔۔ عجیب منگتا ہے یہ پھیکا بھی جب بھی ملتا ہے ''اک نیا چراغ جلتا ہے''

کروٹیں بدلتی رات کے تکیئے کے نیچے رکھی بے چین خلش کو چین میں بدلنے کے سب گُر آتے تھے اُسے۔ کچھ ہی دن بعد میں نے دیکھا۔ لنگر خانے میں دیواروں پر لگی تختیوں پر قلم دوات سے لکھا تھا۔! دوپہر کی دعوتوں کے لیئے کھانا ہم سے پکوایئے۔!

میں نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے صاحب جی مسکرا کر بولا میں سمجھ نہیں پایا پھیکے کی لکھائی زیادہ چمکتی تھی یا حرفوں کے پیچھے چُھپی اُس کی نیت۔۔۔!

تعمیرِ نو میں مصروف اک معمار دل تھا کبھی ہاتھوں میں دھڑکتا کبھی زباں سے بولتا۔۔!

مگر جب بھی بولتا اُس کا جادو سر چڑھ کر بولتا۔۔!

ٹھیک ہی تو کہتا ہے پھیکا۔۔'' رات یوں محفلوں میں لُٹانے کی چیز نہیں۔ اس کے ماتھے پر سجدے کا جھومر ہی سجتا ہے''۔

کروٹیں کھلکھلانے لگیں۔۔!

آفتاب شاہ

ستائے کو ستائیں گے رلائے کو رُلائیں گے
یہ سپنے روگ ہیں یارو کوئی طوفاں اُٹھائیں گے
یہ نیندوں کو اُجاڑیں گے یہ سوتوں کو جگائیں گے
کوئی فتنہ کوئی جھگڑا یہ سوچوں میں ہلائیں گے
یہ سپنے روگ ہیں یارو کوئی طوفاں اُٹھائیں گے
یہ لفظوں سے بھی کھیلیں گے یہ حرفوں پر بھی چھائیں گے
یہ اشکوں میں ڈھلیں گے پھر یہ پلکوں پر بھی آئیں گے
یہ سپنے روگ ہیں یارو کوئی طوفاں اُٹھائیں گے
زمینِ دل پہ ٹھہریں گے وہاں پر سر جھکائیں گے
زمینِ جاں پہ ٹھہریں گے تجھے پاگل بنائیں گے
حروفِ عشق کو یارو یہ پھر دف پر بجائیں گے
کسی کے عشق میں چھپ کر کئی باتیں بتائیں گے
یہ سپنے روگ ہیں یارو کوئی طوفاں اُٹھائیں گے
یہ رشتوں کو جلائیں گے خیالوں سے ہٹائیں گے
جو ملتے ہی نہیں ان کو یہ خوابوں میں ملائیں گے

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

''انسانی عادتوں کے ماہرین نے ڈیٹا کی بنیاد پر ریسرچ کی ہے اور معلوم ہوا دنیا میں 99 فیصد غلط فیصلے دن دو بجے سے چار بجے کے درمیان ہوتے ہیں' یہ ڈیٹا جب مزید کھنگالا گیا تو پتا چلا دنیا میں سب سے زیادہ غلط فیصلے دن دو بج کر 50 منٹ سے تین بجے کے درمیان کیے جاتے ہیں۔

یہ ایک حیران کن ریسرچ تھی' اس ریسرچ نے ''ڈسیزن میکنگ'' (قوت فیصلہ) کی تمام تھیوریز کو ہلا کر رکھ دیا' ماہرین جب وجوہات کی گہرائی میں اُترے تو پتا چلا ہم انسان سات گھنٹوں سے زیادہ ایکٹو نہیں رہ سکتے' ہمارے دماغ کو سات گھنٹے بعد فون کی بیٹری کی طرح ''ری چارجنگ'' کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم اگر اسے ری چارج نہیں کرتے تو یہ غلط فیصلوں کے ذریعے ہمیں تباہ کر دیتا ہے' ماہرین نے ڈیٹا کا مزید تجزیہ کیا تو معلوم ہوا ہم لوگ اگر صبح سات بجے جاگیں تو دن کے دو بجے سات گھنٹے ہو جاتے ہیں۔

ہمارا دماغ اس کے بعد آہستہ آہستہ سن ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ہم غلط فیصلوں کی لائین لگا دیتے ہیں چناں چہ ہم اگر بہتر فیصلے کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں دو بجے کے بعد فیصلے بند کر دینے چاہئیں اور آدھا گھنٹہ قیلولہ کرنا چاہیے' نیند کے یہ 30 منٹ ہمارے دماغ کی بیٹریاں چارج کر دیں گے اور ہم اچھے فیصلوں کے قابل ہو جائیں گے' یہ ریسرچ شروع میں امریکی صدر' کابینہ کے ارکان' سلامتی کے بڑے اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سی ای اوز کے ساتھ شیئر کی گئی۔ یہ اپنے فیصلوں کی روٹین تبدیل کرتے رہے' ماہرین نتائج نوٹ کرتے رہے اور یہ تھیوری سچ ثابت ہوتی چلی گئی' ماہرین نے اس کے بعد ''ورکنگ آورز'' کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا' آفس کے پہلے تین گھنٹے فیصلوں کے لیے بہترین قرار دے دیئے گئے' دوسرے تین گھنٹے فیصلوں پر عمل کے لیے وقف کر دیئے گئے اور آخری گھنٹے فائل ورک' کلوزنگ اور اکاؤنٹس وغیرہ کے لیے مختص کر دیئے گئے' سی آئی اے نے بھی اس تھیوری کو اپنے سسٹم کا حصہ بنا لیا۔

کسی کو جنرل احمد شجاع پاشا نے ایک بار بتایا تھا' امریکی ہم سے جب بھی کوئی حساس میٹنگ کرتے تھے تو یہ رات کے دوسرے پہر کا تعین کرتے تھے' میں نے محسوس کیا یہ میٹنگ سے پہلے ہمارے تھکنے کا انتظار کرتے ہیں چناں چہ ہم ملاقات سے پہلے نیند پوری کر کے ان کے پاس جاتے تھے۔ میں نے برسوں پہلے ایک فقیر سے پوچھا تھا ''تم لوگ مانگنے کے لیے صبح کیوں آتے ہو اور شام کے وقت کیوں غائب ہو جاتے ہو'' فقیر نے جواب دیا تھا ''لوگ بارہ بجے تک سخی ہوتے ہیں اور شام کو کنجوس ہو جاتے ہیں' ہمیں صبح زیادہ بھیک ملتی ہے''۔

مجھے اس وقت اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی لیکن میں نے جب دو بجے کی ریسرچ پڑھی تو مجھے فقیر کی بات سمجھ آ گئی' آپ نے بھی نوٹ کیا ہو گا آج سے پچاس سال پہلے لوگ زیادہ خوش ہوتے تھے' یہ شامیں خاندان کے ساتھ گزارتے تھے' سپورٹس بھی کرتے تھے اور فلمیں بھی دیکھتے تھے' کیوں؟ کیونکہ پوری دنیا میں اس وقت قیلولہ کیا جاتا تھا' لوگ دوپہر کو سستاتے تھے مگر انسان نے جب موسم کو کنٹرول کر لیا' یہ سردی کو گرمی اور گرمی کو سردی میں تبدیل کرنے میں کام یاب ہو گیا تو اس نے قیلولہ بند کر دیا چناں چہ لوگوں میں خوشی کا مادہ بھی کم ہو گیا اور ان کی قوت فیصلہ کی ہیت بھی بدل گئی۔

ریسرچ نے ثابت کیا ہم اگر صبح سات بجے اُٹھتے ہیں تو پھر ہمیں دو بجے کے بعد ہلکی نیند کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم اگر دو سے تین بجے کے دوران تھوڑا سا سستا لیں' ہم اگر نیند لے لیں تو ہم فریش ہو جاتے ہیں اور ہم پہلے سے زیادہ کام کر سکتے ہیں' پوری دنیا میں فجر کے وقت کو تخلیقی لحاظ سے شان دار سمجھا جاتا ہے' کیوں؟ ہم نے کبھی غور کیا' اس کی دو وجوہات ہیں' ہم بھرپور نیند لے چکے ہوتے ہیں لہٰذا ہمارے دماغ کی تمام بیٹریاں چارج ہو چکی ہوتی ہیں اور دوسرا فجر کے وقت فضا میں آکسیجن کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور آکسیجن ہمارے دماغ کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ذہن کی مرغن غذا ہے چناں چہ ماہرین کا دعویٰ ہے آپ اگر بڑے فیصلے کرنا چاہتے ہیں تو آپ یہ کام صبح بارہ بجے سے پہلے نمٹا لیں اور آپ کوشش کریں آپ دو سے تین بجے کے درمیان کوئی اہم فیصلہ نہ کریں کیوں کہ یہ فیصلہ غلط ہو گا اور آپ کو اس کا نقصان ہو گا۔''انسانی عادتوں کے ماہرین نے ڈیٹا کی بنیاد پر ریسرچ کی ہے اور معلوم ہوا دنیا میں 99 فیصد غلط فیصلے دن دو بجے سے چار بجے کے درمیان ہوتے ہیں' یہ ڈیٹا جب مزید کھنگالا گیا تو پتا چلا دنیا میں سب سے زیادہ غلط فیصلے دن دو بج کر 50 منٹ سے تین بجے کے درمیان کیے جاتے ہیں۔ یہ ایک حیران کن ریسرچ تھی' اس ریسرچ نے ''ڈسیزن میکنگ'' (قوت فیصلہ) کی تمام تھیوریز کو ہلا کر رکھ دیا' ماہرین جب وجوہات کی گہرائی میں اترے تو

پتا چلا ہم انسان سات گھنٹوں سے زیادہ ایکٹو نہیں رہ سکتے' ہمارے دماغ کو سات گھنٹے بعد فون کی بیٹری کی طرح ''ری چارجنگ'' کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم اگر اسے ری چارج نہیں کرتے تو یہ غلط فیصلوں کے ذریعے ہمیں تباہ کر دیتا ہے' ماہرین نے ڈیٹا کا مزید تجزیہ کیا تو معلوم ہوا ہم لوگ اگر صبح سات بجے جاگیں تو دن کے دو بجے سات گھنٹے ہو جاتے ہیں۔ ہمارا دماغ اس کے بعد آہستہ آہستہ سن ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ہم غلط فیصلوں کی لائین لگا دیتے ہیں چناں چہ ہم اگر بہتر فیصلے کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں دو بجے کے بعد فیصلے بند کر دینے چاہئیں اور آدھا گھنٹہ قیلولہ کرنا چاہیے' نیند کے یہ 30 منٹ ہمارے دماغ کی بیٹریاں چارج کر دیں گے اور ہم اچھے فیصلوں کے قابل ہو جائیں گے' یہ ریسرچ شروع میں امریکی صدر' کابینہ کے ارکان' سلامتی کے بڑے اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سی ای اوز کے ساتھ شیئر کی گئی۔ یہ اپنے فیصلوں کی روٹین تبدیل کرتے رہے' ماہرین نتائج نوٹ کرتے رہے اور یہ تھیوری سچ ثابت ہوتی چلی گئی' ماہرین نے اس کے بعد ''ورکنگ آوورز'' کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا' آفس کے پہلے تین گھنٹے فیصلوں کے لیے بہترین قرار دے دیئے گئے' دوسرے تین گھنٹے فیصلوں پر عمل کے لیے وقف کر دیے گئے اور آخری گھنٹے فائل ورک' کلوزنگ اور اکاؤنٹس وغیرہ کے لیے مختص کر دیئے گئے' سی آئی اے نے بھی اس تھیوری کو اپنے سسٹم کا حصہ بنالیا۔

ایک بھولی بسری کہانی، حمام میں سب ننگے

کہانی سنانے والے سناتے ہیں کہ ماضی میں ایک سربراہ حکومت کو اس ملک کا سیاسی اور مذہبی طبقہ بہت تنگ کرتا تھا اور روز کوئی نیا الزام سامنے لے آتے جیسے کہ یہ تو شراب نوشی کرتا ھے وہ حکمران بہت تنگ پڑا، اس نے اپنے ایک گورنر سے مشورہ کیا کہ کیا کریں اس گورنر کو ایک بدنام زمانہ ترکیب سوجھی، اس نے اپنے ملک ایک معروف شہر میں نہایت خوبصورت قسم کی چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کروائے اور ان گھروں کے ہر ایک کمرے میں جگہ جگہ خفیہ ویڈیو کیمرے بھی لگوا دیئے اس کے بعد پورے ملک سے خوبصورت، سلیقہ شعار اور ہر قسم کی خدمت بجالانی والیاں ان مکانوں میں آمدہ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے کو اکٹھی کی گئیں ہر مرحلہ طے ہونے کے بعد اس ملک کے معروف سیاستدانوں اور بڑے بڑے مزھبی راہنماؤں کو دعوت دی گئی کہ آپ کی ملک وقوم کے لئے بہت خدمات ہیں حکومت چاہتی ہے کہ آپ کچھ عرصہ ہمارے مہمان رہیں آپ کی سیر وتفریح کے سارے اخراجات حکومت برداشت کرے گی اپنی سہولت کے مطابق کوئی تاریخ مقرر کر کے اطلاع دیں اور تشریف لائیں۔

اس طرح پروگرام کے مطابق لیڈران کرام تشریف لاتے رہے اور حکومت کی طرف سے مہیا کئے گئے فلیٹس میں رہ کر ہر ایک قسم کا لطف اُٹھاتے رہے کچھ عرصے بعد اس مملکت کے سربراہ کی طرف انہی لوگوں کو ملاقات کے دعوت نامے آنے شروع ہوئے کہ ضروری مشورہ اور ملاقات کے لئے وقت نکالیں اور تشریف لائیں اس پر وہ بزرجمہرے خوشی خوشی بغلیں بجاتے ملاقات کو بھاگے چلے آتے اور پھر کھانے کی میز پر اس مملکت کے سربراہ گلاس شراب کا بھی منگواتے اور مہمان سے بڑے ادب اور احترام سے عرض کرتے کہ ایک دو گھونٹ پینا چاہتا ہوں اجازت ہے؟ اس پر مہمان فوراً بولتا استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ یہ تو حرام ہے، اجازت کیسی، اللہ سے ڈریں۔ کہانی میں اس طرح ہے کہ اس پر اس ملک کا سربراہ پاوں کے نیچے ایک خفیہ بٹن کو دبا دیتا اور سامنے سفید دیوار پر ان سیر وتفریح کے ایام کی کہانی ایک فلم کی شکل میں نظر آنے لگتی اس پر وہ حکمران کہتا کہ دیکھیں آپ سے یہ فعل سرزد ہو گیا جیسے اللہ آپ کو معاف کرے گا ایسے ہی اللہ مجھے بھی معاف کر دے گا کہانی آگے چلتی ہے کہ اس حکمران کے جوتے بھی آمدہ مہمانوں نے اپنی کسی چیز سے صاف کئے تھے!!!! آگے کیا باتیں ہوئی ہوں گی اور کیا وعدے وعید ادھر ہوئے ہوں گے وہ آپ خود سوچ سکتے ہیں!!!! (کہانی سنانے والوں کا کہنا تھا کہ کہانی سچی ہے)

رئیس اعظم حیدری

کرتا ہوں روز دن میں تلاوت غزل کی میں
سوتا ہوں کہہ کہ میں نئی ہر رات میں غزل
کس کی غزل کا شعر ہے، اب ہو چکی نماز
اس بار پھر یہ آئی سوالات میں غزل
غم کو بھلانے کے لئے اپنے رئیسؔ میں
کہتا ہوں روز ان کے خیالات میں غزل

ہمیں روز اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے

رجل خوشاب

ہمارے ملک کے ایک نامور سیاست دان کو آصف علی زرداری نے کھانے کی دعوت دی' یہ دعوت پر پہنچے تو ٹیبل پر درجنوں قسم قسم کے کھانے لگے تھے'ان کے بقول میں نے اپنی پلیٹ اٹھائی اور مختلف قسم کے کھانے اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگا۔اتنی دیر میں زرداری صاحب کا سیکرٹری آیا اور ان کا کھانا ان کے سامنے رکھ دیا' چھوٹی چھوٹی کولیوں میں تھوڑی سی بھنڈی' دال' ابلے ہوئے چاول اور آدھی چپاتی تھی' زرداری صاحب نے چند لقمے لیے اور خانساماں ٹرے اٹھا کر لے گیا' میں نے ان سے ان کی سادہ خوراک کے بارے میں پوچھا تو وہ ہنس کر بولے ''میری خوراک بس بھنڈی اور سادہ چاول تک محدود ہے' میں ان کے علاوہ کچھ نہیں کھا سکتا'' میں نے پوچھا ''کیا آپ گوشت نہیں کھاتے'' وہ مسکرائے اور بولے ''میں گوشت کھا ہی نہیں سکتا'' میں کھانا کھا کر واپس آ گیا لیکن آپ یقین کریں میں اس کے بعد جب بھی کھانا کھانے لگتا ہوں تو مجھے زرداری صاحب کی ٹرے یاد آ جاتی ہے اور میں کھانا بھول جاتا ہوں۔ارشاد احمد حقانی پاکستان کے سینئر صحافی اور کالم نگار تھے' روزنامہ جنگ میں کالم لکھتے تھے'میں نے ان سے لکھنا سیکھا' شاہ صاحب نے بتایا میں 1998ء میں ایران جا رہا تھا' ارشاد احمد حقانی سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا' کیا آپ مشہد بھی جائیں گے؟ میں نے عرض کیا ''جی جاؤں گا'' انہوں نے فرمایا ''آپ میرے لیے وہاں خصوصی دعا کیجیے گا'' میں نے وعدہ کر لیا لیکن اُٹھتے ہوئے پوچھا ''آپ خیریت سے تو ہیں؟'' حقانی صاحب دکھی ہو کر بولے ''میری بڑی آنت کی موومنٹ رُک گئی ہے' پاخانہ خارج نہیں ہوتا' میں روز ہسپتال جاتا ہوں اور ڈاکٹر مجھے بیڈ پر لٹا کر مشین کے ذریعے میری بڑی آنت سے پاخانہ نکالتے ہیں اور یہ انتہائی تکلیف دہ عمل ہوتا ہے'' شاہ صاحب نے اس کے بعد کانوں کو ہاتھ لگایا' توبہ کی اور کہا ''ہمیں روز اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے' ہم اپنے منہ سے کھا بھی سکتے ہیں اور ہمارا کھایا ہوا ہمارے پیٹ سے نکل بھی جاتا ہے ورنہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں لوگ اپنی مرضی سے کھا سکتے ہیں اور نہ نکال سکتے ہیں'' یہ بات سن کر مجھے بے اختیار چودھری شجاعت حسین یاد آ گئے۔

چودھری صاحب خاندانی اور شان دار انسان ہیں' میرے ایک دوست چند دن قبل ان کی عیادت کے لیے گئے' چودھری صاحب خوش تھے اور بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے' میرے دوست نے صحت کے بارے میں پوچھا تو چودھری صاحب نے جواب دیا ''میں بہت امپروو کر رہا ہوں' میں اب اپنے منہ سے کھا بھی لیتا ہوں اور اپنے پاؤں پر کھڑا بھی ہو جاتا ہوں'' دوست نے پوچھا ''آپ کی حالت اس سے پہلے کیسی تھی؟'' چودھری صاحب بولے ''میری ٹانگیں میرا بوجھ نہیں اٹھاتی تھیں اور میرے پیٹ میں ٹیوب لگی ہوئی تھی' ڈاکٹر مجھے اس کے ذریعے کھلاتے تھے' میں منہ کے ذائقے کو ترس گیا تھا' الحمدللہ میں اب تھوڑا تھوڑا کر کے کھا بھی لیتا ہوں اور چل پھر بھی سکتا ہوں'' میں بینک کے ایک مالک کو جانتا ہوں' یہ صبح جاگتا ہے تو چار بندے ایک گھنٹہ لگا کر اسے بیڈ سے اٹھنے کے قابل بناتے ہیں' یہ اس کے پٹھوں کا مساج کر کے انہیں اس قابل بناتے ہیں کہ یہ اس کے جسم کو حرکت دے سکیں' اس کی گاڑی کی سیٹ بھی مساج چیئر ہے' یہ سفر کے دوران اسے ہلکا ہلکا دباتی رہتی ہے اور ان کے دفتر اور گھر دونوں جگہوں پر ایمبولینس ہر وقت تیار کھڑی رہتی ہے' آپ دولت اور اثر و رسوخ دیکھیں تو آپ رشک پر مجبور ہو جائیں گے اور آپ اگر اس کی حالت دیکھیں تو آپ دو دو گھنٹے توبہ کرتے رہیں' اسی طرح پاکستان میں ہوٹلز اور موٹلز کے ایک ٹائی کون ہیں' صدرالدین ہاشوانی' یہ پانچ چھ برسوں سے شدید علیل ہیں' ڈاکٹر اور فزیوتھراپسٹ دونوں ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں' ان کے پرائیویٹ جہاز میں ان کے ساتھ سفر کرتے ہیں' فزیوتھراپسٹ دنیا جہاں سے ان کے لیے فزیوتھراپی کی مشینیں تلاش کرتے رہتے ہیں' مجھے جرمنی کے شہر باڈن جانے کا اتفاق ہوا' یہ مساج اور ریسی غسل کا ٹاؤن ہے' شہر میں مساج کے دو دو سو سال پرانے سنٹر ہیں اور دنیا جہاں سے امیر لوگ مالش کرانے کے لیے وہاں جاتے ہیں' چھ چھ ماہ بکنگ نہیں ملتی' آپ وہاں لوگوں کی حالت دیکھیں تو آپ کی نیند اڑ جائے گی' مریض کے پروفائل میں دس دس بلین ڈالر کی کمپنی ہوتی ہے لیکن حالت دیکھیں گے تو وہ سیدھا کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں ہوتا' ہم انسان ایک نس کھچ جانے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہتے' ہم چیچ تک نہیں اٹھا پاتے اور نگلنے کے قابل نہیں رہتے' یہ ہماری اصل اوقات ہے۔تو پھر کس بات کا غرور اور فخر توبہ کرتے رہیں معافی مانگتے رہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے رہیں اور اس کے سامنے اپنا سر جھکاتے رہیں۔(ماخوذ)

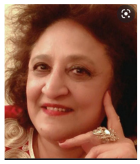

رکن اسمبلی رخسانہ کوثر کی قرارداد اور زیبائشی داڑھی۔

نیلم احمد بشیر

آج کل سوشل میڈیا پر ایک نئی پھلجھڑی چھوڑی گئی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کی رکن پنجاب اسمبلی رخسانہ کوثر نے حال ہی میں ایک قرارداد جمع کروائی ہے جس میں ارکان اسمبلی سے تائید کی گذارش کی گئی ہے کہ مردوں کو نت نئے ڈیزائن کی داڑھیاں ترشوانے سے روکا جائے۔

اگر وہ اس درخواست میں یہ بھی کہہ دیتیں کہ ان فیشن ایبل داڑھیوں کی وجہ سے معصوم بیبیوں کے ایمان متزلزل ہو جاتے ہیں تو مجھے ان کی اس بات پر پیار آ جاتا۔ آخر ایسا ہو بھی تو سکتا ہے۔ اگر بے چارے مرد وے عورت ذات کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتے ہیں تو عورتوں کا ان خوبصورت داڑھیوں والے مردانہ چہروں کو دیکھ کر دل کیوں نہیں دھڑک سکتا۔ یہ قدرتی بات ہے۔ کسی بھی حسینہ کی کسی ریشمی، لہراتی، ہواوں سے الجھتی، سنسناہٹ بھری داڑھی پر نظر جا ٹکے تو وہاں سے ہٹنے کا نام ہی نہ لے۔ میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ۔ عورت کو بھی اس کے اندر کا جذباتی ہیجان بے اختیار کر سکتا ہے۔ گہرے اور ساکن سمندروں کی تہ میں طوفان کچھ ایسی اچنبھے کی بات تو نہیں... راکھ کے ڈھیر میں سلگتی چنگاری بھلے نظر سے پوشیدہ ہو، جوان جذبوں کا نشان دیتی داڑھی ہوا دے تو تپش رکھتی ہے، آنچ دے سکتی ہے، اور لالہ رخ کے شعلہ رو بننے میں کیا دیر لگتی ہے...

رکن پنجاب اسمبلی رخسانہ کوثر نے اپنی قرارداد کی بنیاد سنت نبوی پر رکھی ہے۔ کاش انہوں نے یہ بھی کہا ہوتا... کہ سنّت کا تقاضا ہے کہ مرد اپنے سے بڑی عمر کی، مطلقہ، بیوہ یا کسی بے سہارا عورت سے شادی کریں اور کنواریوں کے پیچھے قیس بن کر خاک اڑاتے نہ پھریں۔ فرہاد بن کر بنجر زمینوں میں ہوا و ہوس کا تیشہ چلانے سے گریز کریں۔ پیارے نبی نے تو کسی بھی امیر یا غریب، کسی طبقے یا قبیلے کی خاتون کو شریک حیات بنانے میں عار نہیں سمجھا۔

اگر نبی آخرالزماں کی پیروی ہی کرنی ہے تو یاد رہے کہ انہوں نے لمبی داڑھی والے کو نہیں بلکہ ہر اس انسان کو افضل قرار دیا جس کا اخلاق اچھا ہو۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص وہ ہوتا ہے جس کے اعمال نیک ہوں، ایمانداری، شرافت، راست بازی، فرض شناسی اور خدا خوفی میں زندگی گزارتا ہو، کمزور انسانوں اور جانوروں سے رحمدلی سے پیش آتا ہو۔ انسان کی اچھائی برائی کا تعلق اس کے کردار سے ہوتا ہے۔ کسی کی داڑھی کی لمبائی اور شلوار کی اونچائی اس کی اخلاقی برتری کو ثابت نہیں کرتی۔

یہ حقیقت تو ہم سب جانتے ہیں کہ مدرسوں میں اور ان سے باہر بچوں کا جنسی استحصال کرنے والوں میں داڑھی والے اور داڑھی منڈے میں کوئی امتیاز نہیں... ماسٹر ہو یا ملا، عبدالباری اور حسین قاری میں کوئی فرق نہیں۔ (وزیرستان میں نوعمر بچوں کو خودکش حملوں کی تربیت دینے والے بدنام زمانہ دہشت گرد کا نام قاری حسین تھا) سانحہ پشاور میں بچوں کا قتل عام کرنے والے باریش دہشت گرد کی مسکراتی ہوئی تصویر جب بھی دیکھتی ہوں، روح کانپ کے رہ جاتی ہے۔

جس طرح برقع یا نقاب کسی عورت کی راست بازی یا پاک دامنی کی دلیل نہیں ہوتا، اسی طرح داڑھی بھی کسی مرد کو نیک یا بد ثابت نہیں کرتی۔ اچھے اصول اور آدرش ہی آدمی کو انسان بناتے ہیں۔ معاشرے کو کسی ڈیزائن دار مردانہ داڑھی نے نہیں بلکہ بے ایمانی، مکاری، لوٹ کھسوٹ اور غیر ذمدارانہ رویوں نے نقصان پہنچایا ہے۔

ارکان اسمبلی پہلے تو اپنے گریبانوں میں جھانکیں، چوتھی کی دلہن جیسی سجی بنی خواتین اور تھتھلاتے جشوں والے اول جلول اسمبلی میں حاضر ہی نہیں ہوتے حالانکہ یہ ان کا فرض منصبی ہے اور وہ اس کی تگڑی تنخواہ اور ڈھیروں مراعات لیتے ہیں اور اگر قدم رنجہ فرمانے کی زحمت کر لیں تو اونگھتے رہتے ہیں یا گپیں ہانک کر وقت گزاری کرتے ہیں، بات بات پر شور مچاتے ہیں، نمبر ٹانکنے کے لئے تو تکار کی جاتی ہے، آخر ان کو فری پیٹرول والی گاڑیاں، نوکر چاکر اور خیرہ کن مراعات کس کھاتے میں دی جاتی ہیں۔ داڑھی کو ناپنا اور جانچنا چھوڑیں، قوم کے مسائل کی طرف توجہ دیں، اور اگر آپ کی پارسائی کو منطقہ ناف ہی تک رسائی پر اصرار ہے تو فہمیدہ ریاض کی یہ سطریں یاد کریں جہاں وہ کہتی ہیں...

کولھوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے
سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر
تھا پارۂ دل بھی زیر پستاں
لیکن مرا مول ہے جوان پر
گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو
پیمائش میری ختم ہو جا پنا بھی کوئی عضو ناپو!

(بشکریہ کالم ہم سب)

تحفظ بنیاد اسلام بل کا حاصل چند اہم سوالات ہیں آیئے ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

(آصف محمود)

سوال یہ ہے کہ تحفظ بنیاد اسلام بل کی ضرورت کیا تھی؟ اس بل کا مقصد اگر شعائر اور مقدس ہستیوں کے احترام کو یقینی بنانا تھا تو یہ قانون تو پہلے ہی سے موجود تھا۔

تعزیرات پاکستان میں مذہب کے خلاف جرائم کے عنوان سے ایک پورا باب موجود ہے۔ دفعہ 295A کے تحت کسی مذہب کی عبادت گاہ کی بے حرمتی کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 295A کے تحت پاکستان کے کسی بھی شہری کے مذہبی جذبات اور مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دس سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 295 بی کے تحت قرآن کریم کی توہین کی سزا عمر قید ہے۔ 295 سی کے تحت توہین رسالت کی سزا موت ہے۔ 296 کے تحت کسی مذہبی اجتماع میں خلل ڈالنے کی سزا ایک سال تک قید یا جرمانہ ہے۔

297 کے تحت کسی بھی مذہب کے قبرستان میں بلا اجازت گھس کر اس کے ماننے والوں کے جذبات مجروح کرنے کی سزا ایک سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 298 کے تحت مذہبی معاملات میں کسی کی دل آزاری کرنے کی سزا ایک سال سے تین سال تک قید یا پانچ لاکھ روپے جرمانہ ہے۔ 298A اے کا تعلق مقدس ہستیوں کے احترام سے ہے۔ اس کے مطابق امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی توہین کی سزا تین سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ قید اور جرمانے سے متعلق تمام دفعات میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ عدالت چاہے تو قید اور جرمانے کی دونوں سزائیں ایک ساتھ سنا سکتی ہے۔ احترام مذاہب کا یہ قانون جب پورے ملک میں پہلے سے ہی نافذ ہے تو پنجاب اسمبلی کو تحفظ بنیاد اسلام بل لانے کی کیا ضرورت تھی؟

دوسرا سوال پنجاب اسمبلی کے دینی فہم سے متعلق ہے۔ شیعہ سنی اختلافات کی صدیوں پرانی ایک تاریخ ہے۔ ہر مکتب فکر کی اپنی ایک تعبیر ہے اور اس تعبیری اختلاف کے باوجود دونوں مکاتب مسلمانوں ہی کے دو گروہ شمار کیے جاتے ہیں۔ اہم بات اب یہ نہیں کہ اختلاف ختم ہو جائیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ اہم یہ ہے کہ اختلاف رائے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آ جائے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے عقیدے پر قائم رہیے لیکن دوسروں کی توہین یا دل آزاری مت کیجیے۔ دل آزاری اور توہین کا تعلق قانون سے ہے اور اس باب میں قانون سازی پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد حفظ مراتب کا معاملہ ہے کہ کون کسے رضی اللہ عنہ کہتا ہے اور کون علیہ السلام یہ ہر مکتب فکر کا داخلی معاملہ ہے اور کسی پر قانون کے ذریعے کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی۔ شیعہ مسلمان اہل بیت کے لیے علیہ السلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اہل سنت کی بعض کتابوں میں شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے۔ آپ قانون کے ذریعے کسی کو بھی کسی دوسرے کی دل آزاری سے تو روک سکتے ہیں لیکن کیا یہ وظیفہ بھی قانون کا ہے کہ وہ دوسروں کو بتائے انہوں نے اپنی محترم ہستیوں کو کیسے مخاطب کرنا ہے؟

تیسرے سوال کا تعلق پنجاب اسمبلی کے آئینی فہم سے ہے۔ میرا نہیں خیال اس ایوان میں نصف درجن بھی ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آئین کا مطالعہ فرما رکھا ہو اور جنہیں یہ علم ہو کہ آئین نے جہاں اسلام کو ریاست کا مملکتی مذہب قرار دے رکھا ہے وہاں ہر مکتب فکر کو یہ حق بھی دے رکھا ہے کہ تعبیر دین کے باب میں وہ اپنے مکتب فکر کی رائے پر عمل کرنے میں آزاد ہے اور اس پر کسی دوسرے مکتب فکر کی تعبیر دین اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔

آئین پاکستان کا ایک باب اسلامی دفعات سے متعلق ہے۔ وہاں آرٹیکل 227 میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن وسنت کے مفہوم کا جب قانون کی دنیا میں اطلاق ہوگا تو ہر مکتب فکر پر یہ اطلاق اس مکتب فکر کی تعبیر کے مطابق ہوگا۔ آئین سازوں نے اپنے فکری تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے آئین میں لکھ رکھا ہے کہ کسی فرقے سے متعلق معاملات میں قرآن وسنت کا مطلب وہی ہوگا جو اس فرقے کے ہاں ہو۔ اب ایک صوبے کی اسمبلی کو یہ حق کیسے دیا جا سکتا ہے وہ آئین کی مبادیات کے خلاف قانون سازی کر لے؟

چوتھا سوال پنجاب اسمبلی کے سماجی فہم سے متعلق ہے۔ سوال یہ ہے کیا نیم خواندہ روایتی جاگیردارانہ پس منظر سے مغلوب ہمارے قانون ساز سماجیات کا کچھ فہم رکھتے ہیں؟ ہر معاشرے میں کچھ فالٹ لائنز موجود ہوتی ہیں۔ حکومت کا کام انہیں بھر دینا ہوتا ہے؟ تا کہ اختلافات کے باوجود بقائے باہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔ پنجاب اسمبلی نے سماج کی اس فالٹ لائن کو نمایاں کر دیا ہے۔ معلوم نہیں اب یہ تلخی کہاں تک جائے گی اور کیا رخ اختیار کرے گی۔ مشرق وسطی میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے سامنے ہے۔ مشرق وسطی کے خطرناک فرقہ وارانہ سیاسی رجحانات ایک عرصے سے پاکستان کی دہلیز پر دستک دے

رہے تھے۔حکمت اور بصیرت کا تقاضا تھا کہ ان رجحانات سے اپنے سماج کو بچایا جاتا۔ ہمارے سماج کی ساخت ایسی ہے کہ ہم ایسی کسی کشمکش کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پنجاب اسمبلی نے اس کشمکش کی چنگاریاں اپنے سماج میں لا کر رکھ دی ہیں اور ملی یکجہتی کونسل کی اب تک کی ساری کوششوں کو دائروں کا سفر بنا دیا ہے۔ دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے۔

آخری سوال کا تعلق پنجاب حکومت کی فکری دیانت سے ہے۔کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے جو پیچیدگی پیدا کر دی گئی ہے اور ڈائرکٹر جنرل پبلک ریلیشنز کو جس طرح کے انتظامی اور عدالتی اختیارات بیک وقت دے دیے گئے ہیں اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بل واقعی تحفظ بنیاد اسلام کے لیے لایا گیا ہے یا مذہب کا نام استعمال کرتے ہوئے شہری آزادیوں کو سلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ ڈی جی پی آر کی فکری استعداد ہی کیا ہوتی ہے کہ مذہب، فلسفہ، سماجیات اور ادب پر کتابوں کی اشاعت کی اجازت اس سے طلب کی جائے؟ کیا یہ بیوروکریسی کا فاشزم ہے جسے ایک مذہبی عنوان مسلط کیا جا رہا ہے؟ افتخار عارف نے کہا تھا: عجب گھڑی تھی/کتاب کیچڑ میں گر پڑی تھی۔ پنجاب اسمبلی کی تازہ مشق بتا رہی ہے، ہم بھی ایسے ہی لمحے کی گرفت میں ہیں۔

(بشکریہ کالم ہم سب)

افتخار عارف

لغزشوں سے ماورا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
دونوں انساں ہیں خدا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
تُو مجھے اور میں تجھے الزام دیتا ہوں مگر
اپنے اندر جھانکتا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
مصلحت نے کر دیا دونوں میں پیدا اختلاف
ورنہ فطرت کا برا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
چاہتے دونوں بہت اک دوسرے کو ہیں مگر
یہ حقیقت مانتا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
جرم کی نوعیتوں میں کچھ تفاوت ہو تو ہو
درحقیقت پارسا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
رات بھی ویراں، فصیل شہر بھی ٹوٹی ہوئی
اور ستم یہ جاگتا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں
جانِ عارفؔ تُو بھی ضدی تھا انا مجھ میں بھی تھی
دونوں خود سر تھے جُھکا تُو بھی نہیں میں بھی نہیں

ذہنی پولیو

خورشید ندیم

جسمانی پولیو عذاب ہے لیکن اس سے بڑا عذاب ذہنی پولیو ہے۔ معاشرہ فکری اور نظری اعتبار سے اپاہج ہو جائے تو زندہ دکھائی دینے کے باوجود، زندگی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حریت فکر کی فکر کیجیے کہ ہمارے معاشرے کو اس سے محروم کیا جا رہا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے ریاست ہی نہیں، سماج کو بھی نئی رفعتوں سے آشنا کیا۔ علامہ اقبال نے آزادیٔ رائے کے باب میں انہیں امت کا امام کہا ہے (The first critical and independent mind in Islam)۔ سید نذیر نیازی نے علامہ کے انگریزی الفاظ کا ترجمہ کیا ہے "وہ اس امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادیٔ رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے"۔ اقبال نے عہد رسالت کے جس واقعہ کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ اگر میں نقل کروں تو بہت سی جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں کوڑا تو تھا لیکن مجرموں کے لیے، آزادیٔ رائے کو دبانے کے لیے نہیں۔ ایسا ہوتا تو سب سے پہلے اس خاتون کی پیٹھ پر برستا جس نے سرعام ان کے فیصلے کو چیلنج کیا جب انہوں نے حق مہر کی تحدید کرنا چاہی، یا پھر اس پر جس نے ان کے کرتے پر سوال اٹھایا تھا۔ برسبیل تذکرہ ان کے ہاتھ میں ہر وقت تازیانہ بھی بعد میں آنے والوں نے پکڑایا۔ میرا برسوں کا مشاہدہ یہ ہے کہ، اتحاد بین المسلمین، وہ نعرہ ہے جو ہر مسلک کا علمبردار بلند کرتا ہے لیکن اس پر دل سے کوئی یقین نہیں رکھتا۔ میرا یہ خیال دن بدن پختہ سے پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ جیسے جیسے کوئی ایک مسلک سے وابستگی میں بڑھتا چلا جاتا ہے، وہ اس نعرے سے عملاً دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ سب مل کر ایک کو دائرہ اسلام سے خارج کریں۔ پھر اس کار خیر کو سرانجام دینے کے بعد اگلا شکار تلاش کریں۔ برسوں پہلے کی بات ہے، میں راولپنڈی کے ایک بڑے مدرسے، تعلیم القرآن، کے ایک جلسے میں شریک تھا جس کا عنوان ختم نبوت تھا اور اس میں سب مسالک کے لوگ شریک تھے۔ اس مدرسے کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے۔ جلسے میں معروف شیعہ عالم ع غ کراروی بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا تو کہا "آج میں بھی چار یاری ہو گیا ہوں"۔ سامعین نے یہ سنا تو نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ سامعین کی

اکثریت ظاہر ہے کہ دیوبندی تھی۔نعروں کا شور کم ہوا تو کراروی صاحب نے اپنے جملے کی شرح کی۔ یہ شرح کچھ یوں تھی کہ آج ختم نبوت کے مسئلے پر دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ، سب ایک ہو گئے۔اس لیے میں بھی ان چار یاروں میں شامل ہو گیا۔ وما علینا الا البلاغ۔اس کے بعد سامعین پر جیسے اوس پڑ گئی۔ پھر میں نے اسی مدرسے میں ان چار یاروں میں سے ایک کے لیے، کافر کافر کے نعرے سنے۔

ہزاروں صفحات لکھے اور چھپے ہوئے موجود ہیں کہ مذہبی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف کے نتیجے میں لوگوں نے انتہاؤں کو چھوا ہے۔ صرف مولانا مودودی کے بارے میں دیوبندی اکابر کی تحریریں پڑھ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ میرے علم میں نہیں کہ اتحاد بن المسلمین کے داعین میں سے کسی ایک نے اپنے اکابر کی آرا سے رجوع یا اعلان برات کیا ہو۔اتحاد بین المسلمین، کے نعرے سے نقاب الٹنے کے لیے اکثر ایک واقعہ کفایت کرتا ہے۔لوگ دوسروں کے بارے میں اصل خیالات سامنے لے آتے ہیں۔کبھی یہ کام شریعت بل نے کیا تھا اور کبھی، عورت کی حکمرانی، نے۔ مشرق وسطی کی سیاست بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالتی رہی ہے۔ یہ کارنامہ اس بار، تحفظ بنیاد اسلام بل، نے سرانجام دیا۔ ہمارے پاس اب دو راستے ہیں : ایک یہ کہ بین المسلمین اتحاد جیسے نعروں سے نکلیں اور حقیقت کے اعتراف کے ساتھ ایک لائحہ عمل بنائیں۔اس کے لیے اتحاد بین المسلمین کے بجائے مکالمہ بین المسلمین ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ مذہب کے معاملے میں ریاست کی مداخلت کو ان حدود میں مقید کر دیا جائے جو فطری ہیں اور دنیا بھر میں ریاستیں جن کا لحاظ رکھتی ہیں۔مسلمانوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اس کا ایک سبب سیاسی ہے جو فرقہ واریت کی بنیاد بنا۔ایک، کسی متن کی تفہیم کا فطری اختلاف ہے جس نے مسلکی تقسیم کو جنم دیا۔ سیاسی اختلاف رکھنے والوں نے جب مذہبی جذبات کو استعمال کیا تو اپنے اختلاف کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا اور دینی نصوص کی ایسی تعبیر کی جو ان کے سیاسی موقف کی تائید کرے۔ یوں نتیجے کے طور پر فقہی اختلاف اب تاویل کا اختلاف ہے۔ اسباب کے اختلاف کے ساتھ، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت جو گروہ خود کو مسلمان کہتے ہیں، وہ سب ایک ہی ماخذ کی مختلف تعبیرات کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ یہ کسی طور ممکن نہیں کہ سارے مسلمان کسی ایک تعبیر پر جمع ہو جائیں۔اب صورت یہ ہے کہ جو قرآن وسنت کو دین کی اساس مانتا ہے، اس کو یہ حق دیا جائے کہ وہ ان کی جو تعبیر چاہے اختیار کر لے۔ یعنی جو اللہ کے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کو منزل من اللہ کا واحد ماخذ مانتا ہے، لیکن آپ سے روایت کے کسی مختلف طریقے کو قبول کرتا ہے، اسے یہ حق دے دیا جائے۔اس میں شبہ نہیں کہ سب تعبیرات بیک وقت درست نہیں ہو سکیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تنوع کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔اس صورت میں سوال یہ نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اصل سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کے ساتھ رہنے کی کوئی تدبیر سوچی جائے۔اس کے ساتھ سماج میں علمی سطح پر مکالمہ جاری رہے جس میں سب تعبیرات کے دلائل سامنے آ جائیں۔لوگوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ جس کو درست سمجھیں قبول کر لیں۔

اس باب میں ریاست کی مداخلت ایجابی نہیں سلبی ہو، یعنی مثبت کے بجائے منفی ہو۔ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی مکالمے اور اختلاف کے مسلمہ آداب سے تجاوز نہ کرے اور اگر کوئی کرے تو اس کو سزا دی جائے۔ ریاست کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ کسی کا عقیدہ کیا ہے اور کون اسلام کی کس تعبیر کو مانتا ہے۔ ریاست کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی فرد یا گروہ کو اسلام کی کوئی خاص تعبیر اختیار کرنے کا پابند بنائے۔ یہ مداخلت فی الدین ہے اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ اس باب میں ریاست سے فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔اب ان کے انڈے بچے نکل رہے ہیں۔ ہماری ریاست کو چاہیے تھا کہ وہ دنیا کے تجربات سے فائدہ اٹھاتی۔ دنیا میں ہر جگہ مذہبی تنوع پایا جاتا ہے لیکن جس ملک میں ریاست کی مداخلت جتنی کم ہے وہاں مذہبی اختلاف اتنا ہی کم ہے اور اس کے ساتھ مذہب بھی فروغ پا رہا ہے۔ جہاں ریاستی مداخلت زیادہ ہے وہ مذہب مسئلے کا حل نہیں، اس کا حصہ ہے۔"تحفظ بنیاد اسلام بل" نے اتحاد بین المسلمین کی حقیقت، مذہبی اختلاف کی نوعیت اور مذہب و ریاست کے تعلق جیسے مسائل کے باب میں ریاست اور علما کی کمزوری کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔اس نے ہمیں موقع دیا ہے کہ اس مسائل کے حل کی کوئی ایسی تدبیر تلاش کریں جو ایک طرف سماجی امن کو برقرار رکھے اور دوسری طرف علمی ارتقا اور فکری بالیدگی کو یقینی بنائے۔ ریاست، صاف دکھائی دیتا ہے کہ مذہبی اختلاف کو بنیاد بنا کر آزادئ رائے کے دائرے کو محدود سے محدود تر کر دینا چاہتی ہے۔ یہ سماج کو ذہنی پولیو میں مبتلا کرنا ہے۔کاش اس ملک کا دانش ور معاملے کی سنگینی کو جان سکتا!

(بشکریہ کالم ہم سب)

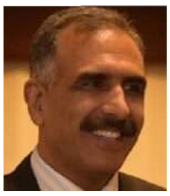

حکومت، ٹی ایل پی معاہدہ لیک

(سلیم ملک)

حکومت اور ٹی ایل پی کے درمیان حالیہ معاہدہ طاقت، جہالت اور مفتی صاحب کی ان تھک محنت سے طے پایا ہے۔ یہ معاہدہ مولانا خادم حسین رضوی مرحوم کی زبان میں لکھا گیا ہے اس لیے عوام سے درخواست ہے کہ معاہدہ سامنے لانے کی ضد نہ کریں۔ جیسا چل رہا ہے چلنے دیں۔ قومی سلامتی قوم سے زیادہ اہم ہے۔ وزیراعظم عمران خان کو قومی سلامتی کی اہمیت کا اندازہ ہو چکا ہے اس لیے انہوں نے معاہدے کے متعلق جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہ خفیہ معاہدہ البتہ بے وثوق ذرائع سے لیک ہو چکا۔ اس کے چیدہ چیدہ نکات کا خلاصہ عوام کے لیے حاضر ہے۔

ٹی ایل پی کی اعلیٰ کارکردگی کو سراہا گیا۔ اس بات کا اعتراف کیا گیا کہ ٹی ایل پی نے ملک میں امن عامہ کے لیے بہت اچھا کردار ادا کیا ہے۔ وہ بہت ہی کم وقت میں سڑک پر آنے کی فرمائش پوری کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس ایشو بھی بہت پاورفل ہے۔ جماعت اسلامی کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔ یہ رول اب مستقل طور پر ٹی ایل پی کے پاس ہی رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھیں کہ ٹی ایل پی میں بارود باقی رہنے دیا جائے گا تاکہ ریوڑ کو بے وقوف بنانے اور مستقبل کی حکومتوں کو راہ راست پر رکھنے کا کام اسی طرح جاری رکھا جا سکے۔

احتجاج کو کامیاب کہا اور لکھا جائے گا کیونکہ مطلوبہ مقاصد بخوبی حاصل کر لیے گئے ہیں۔ احتجاج کرنے والوں کو اس نیک کام میں شامل ہونے کا ثواب مل چکا، حکومت کو دکھا دیا گیا کہ نافرمانی کو سنجیدگی سے لیا جاتا ہے اور فرانس کو پیغام پہنچا دیا گیا کہ ان کا سفیر محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ ہاں گنگا تھوڑی اور میلی ہو گئی تو کیا ہوا، شہادت کوئی کم رتبہ نہیں اور اس کی نوید دونوں طرف سے مرنے والوں کے ورثا کو دے دی گئی ہے۔

پچھلے چند ہفتوں کے واقعات کی وجہ سے مشترکہ پیج اگلے الیکشن اور نئی حکومت تک کے لیے پھاڑ دیا گیا ہے۔ اگلی ٹرم کے لیے نئے وزیراعظم کی تلاش جاری ہے۔ اس کے لیے مفتی منیب صاحب ایک اچھے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ بس کسی مقامی ڈرائیونگ سکول میں داخلہ لے لیں تاکہ ائرپورٹ سے وزیراعظم ہاؤس تک محفوظ ڈرائیونگ کر سکیں۔ شیخ رشید اگلی حکومت میں بھی وفاقی وزیر ہوں گے اور چوہدری برادران کو پنجاب حکومت میں بھرپور حصہ دیا جائے گا۔

ٹی ایل پی کے لیے جس انڈین فنڈنگ کا وفاقی وزرا نے دعویٰ کیا تھا اسے حلال قرار دیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے غالباً یہ فنڈنگ انڈین روپے کی بجائے امریکی ڈالر میں لی ہے۔ اس فنڈنگ کا مقصد ملک میں ڈالر اور پاکستانی روپے کی جنگ میں پاکستانی عوام کو شکست دلانا ہے۔ انڈیا کو بھی شکست کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ ان کی انویسٹمنٹ ضائع ہو چکی۔ لیکن مودی بھی بڑا ڈھیٹ ہے باز نہیں آتا۔

پاکستان کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے مولانا خادم حسین رضوی کے دیے گئے اسلامی معاشی پروگرام کو نافذ کیا جائے گا۔ آئی ایم ایف اور مختلف ممالک جن سے ہم نے قرضے لے رکھے ہیں انہیں بتا دیا جائے گا کہ سود حرام ہے اور ہم ادا نہیں کر سکتے۔ اصل رقم جب ہمارے پاس ہو گی تو دے دیں گے۔ اور یہ بھی کہ کسی ہنگامی صورت حال میں غوری میزائل کے لیے تیار ہو جائیں۔

معاہدے میں پنجاب حکومت کی تعریف کی گئی کہ انہوں مولانا خادم رضوی کے بھوک مٹانے کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے لنگر خانے کھول دیے ہیں۔ ہاں البتہ یہ لنگر خانے جلد ہی درباروں پر شفٹ کر دیے جائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ فنڈز نہیں دینے پڑیں گے کیونکہ وہاں تو لنگر پہلے ہی جاری ہیں۔ چاند دیکھنے کی کمیٹی کے اجلاس کی تعداد دگنی کر دی جائے گی۔ ایک اجلاس میں چاند کو چڑھتے ہو دیکھا جائے گا اور دوسرے اجلاس میں چاند کو ڈوبتے ہوئے۔

اس معاہدے پر دستخط کرنے والوں کی معاہدے کے حوالے سے کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ یہ معاہدہ ایک اوپن سیکرٹ ہی رہے گا۔ عوام، حکومت اور پارلیمنٹ کے لیے اتنا کافی ہے کہ سڑکیں کھول دی گئی ہیں۔

(بشکریہ کالم ہم سب)

چوہدری پرویز الٰہی اور جنت کے ٹکٹ

(محمد حنیف)

72 سال پہلے ہم نے یہ ملک بنایا اور کوئی مانے نہ مانے ہم نے اسے اسلام کے نام پر بنایا۔لیکن پھر ہمارے ساتھ ایک تاریخی حادثہ ہوا جو کسی اور مسلمان ملک کے ساتھ نہیں ہوا۔

اسلام کے اس قلعے میں اسلام خطرے میں آ گیا۔

ابھی مہاجرین کے قافلوں نے پڑاؤ ڈالا ہی تھا کہ ہمارے بڑوں نے پوچھا کہ اس ساری مار کٹائی، ہجرت اور بے وطنی کا مقصد کیا تھا۔طے ہوا قرارداد مقاصد منظور کی جائے۔عہد کیا جائے کہ اس ملک میں قرآن وسنت سے باہر کوئی قانون نہیں بنے گا۔اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش تو نہیں بچی تھی لیکن ایوب خان آیا تو اس کی آمریت کو اگر کبھی ہلکا سا دھچکہ لگتا تو اسلام خطرے میں آجاتا۔

اسلام کو بچاتے بچاتے ہم نے آدھا ملک گنوا دیا۔جب بنگلہ دیش والوں نے کہا اپنا اسلام اپنے پاس رکھو ہم کوئی تم سے کم مسلمان نہیں۔ہم نے ہمت نہیں ہاری اور امت کی قیادت کے خواب دیکھنے شروع کیے۔بھٹو پر برا وقت آیا تو انھیں بھی سوشلزم بھول گیا اور انھوں نے جمعے کی چھٹی وغیرہ دے کر اسلام اور اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔بھٹو کی جان بھی گئی اور اسلام کو خطرے اتنے بڑھ گئے کہ جنرل ضیاء کو گیارہ سال تک کلاشنکوف اور ہیروئن والا اسلام کبھی امپورٹ تو کبھی ایکسپورٹ کرنا پڑا۔ہمارے اسلام نے کمیونزم کو شکست دی۔

ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ اس کے بعد ہم اور اسلام ہنسی خوشی رہنے لگتے لیکن پتہ چلا کہ اسلام کو بڑا خطرہ تو اب ہے۔وہ جہاد جو چیچنیا اور بوسنیا میں لڑا جاتا تھا وہ ہماری گلیوں میں آ گیا۔ہمارے اپنے بچے ہماری مسجدوں میں پھٹنے لگے۔ہمارے بڑے ناز ونعم سے پالے ہوئے مجاہد ہماری ہی چھاونیوں اور تھانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ہمسائے کے گھر لگائی گئی آگ ہمیں ہی جھلسانے لگی۔

کبھی آپریشن راہ راست کرتے کرتے ہمیں لگا کہ اب ہم واقعی راہ راست پر آ گئے ہیں۔ہماری مسجدیں آباد ہونے لگیں۔فرقہ واریت کے عفریت کو بھی ہم نے نیند کے انجیکشن لگا کر کچھ دیر کے لیے سلا دیا۔امید تھی کہ اب اسلام خطرے میں ہے کا نعرہ نہیں چلے گا۔ہماری صحت خطرے میں ہے، فصلیں خطرے میں ہیں، ہماری معیشت مر رہی ہے۔

اس ماحول میں لاہور میں پنجاب اسمبلی میں بیٹھے ہمارے منتخب نمائندوں نے پتہ چلایا کہ پتہ کیا خطرے میں ہے، اسلام اور اس دفعہ صرف اسلام کو کوئی چھوٹا موٹا خطرہ نہیں بلکہ اسلام کی بنیادوں کو خطرہ ہے اس لیے فوری طور پر ایک قانون بنایا جائے جس کا نام ہو تحفظِ بنیادِ اسلام۔

یہ قانون جس سرعت سے پاس ہوا اور جس طرح ہر طرح کی سیاسی جماعت نے یک زبان ہو کر اس کی حمایت کی ہے کہا جا رہا ہے کہ اس کا کریڈٹ پنجاب اسمبلی کے سپیکر چوہدری پرویز الٰہی کو جاتا ہے۔

چوہدری صاحب کبھی کبھی سیدھی بات کر جاتے ہیں۔کچھ ہی دن پہلے اپنی سپیکر کی کرسی پر بیٹھے فرما رہے تھے عمران خان کو باجوہ لے کر آیا ہے جس طرح مجھے مشرف لے کر آیا تھا۔کوئی اور اس طرح کی بات کرے تو سازشی اور غدار کہلائے لیکن چوہدری صاحب چوہدری صاحب ہیں ان سے کوئی یہ بھی نہیں پوچھ سکتا کہ انھیں کب یہ خواب آیا کہ اسلام کی بنیادیں تحفظ مانگ رہی ہیں۔جس طرح سے ہر جماعت نے ان کا ساتھ دیا اس سے تو دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔سب سیاسی جماعتیں لبیک والوں کے لاکھوں ووٹروں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔گزشتہ الیکشن میں تحریکِ لبیک چوتھی بڑی سیاسی جماعت بن کر ابھری تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ سب کو اپنے اردگرد گھومتے کسی نادیدہ ممتاز قادری سے ڈر لگتا ہے۔آپ کے پاس کوئی بل لے کر آیا جس پر لکھا تھا تحفظِ بنیادِ اسلام اور آپ نے اس پر دستخط نہیں کیے تو پھر دیکھیں متوالے آتے ہیں۔

پنجاب اسمبلی کے ایک رکن نے اس بل کی ایک منظور شدہ کاپی اپنے مرحوم والد کی قبر پر پیش کی ہے۔قبر پہ لگا کتبہ پڑھ لیں تو آپ کو ہماری تاریخ کی کچھ ہولناک جھلکیاں نظر آئیں گی۔نئے قانون کی وجہ سے فرقہ واریت کا اونگتا ہوا عفریت جاگنے کا خطرہ اتنا حقیقی ہے کہ جماعت اسلامی کو بھی کہنا پڑا ہے کہ ذرا وہ پہلے اسلامی نظریاتی کونسل سے بھی مشورہ کر لیں۔

بل کی منظوری کے بعد ایک مولانا یوٹیوب پر اپنے خطاب میں فرما رہے تھے کہ یہ بل پاس کر کے چوہدری پرویز الٰہی اور ان کے ساتھ پوری پنجاب اسمبلی کے ارکان نے جنت کا ٹکٹ کٹا لیا ہے۔

کل بھی ایک ذہنی طور پر معذور شخص پشاور کی عدالت میں پیش ہوا۔الزام اس پر گستاخی کا تھا۔ایک مردِ مومن نے جج کی آنکھوں کے سامنے اس کو چھ گولیاں مار کر ہلاک کیا۔ہم نے اسلام کو درپیش خطرات سے اپنی قوم کو اتنا خبردار کر دیا ہے کہ اب لوگ جنت کے ٹکٹ کے لیے چوہدری پرویز الٰہی کے کسی نئے قانون کا انتظار نہیں کرتے بلکہ کسی کا خون کر کے جنت کا ٹکٹ خود ہی خرید لیتے ہیں۔

(بشکریہ کالم ہم سب)

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی قومی وملی خدمات وطن وقوم کیلئے عظیم الشان جدوجہد

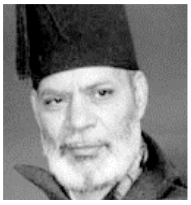

رانا عبدالرزاق خان

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بنی نوع انسان کی ہمدردی کو اپنا اصول قرار دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی شرط یہ بیان فرمائی:

یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض اللہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چلتا چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۰)

حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا:

میرا مقصود مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم، ہمیں بارم، ہمیں رسم ہمیں راہم

اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اس عظیم مقصد کے لیے قائم فرمایا اور ایسے وجود عطا کئے جنہوں نے عام خلق اللہ کی ہمدردی کے لیے غیر معمولی کی خدمات سرانجام دیں۔ بیسویں صدی میں احمدیت، حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب جیسا نابغہ روزگار وجود نمودار ہوا جنہوں نے دامے درمے قدمے سخنے قومی خدمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیر نظر مضمون میں آپ کی انہی خدمات جلیلہ کا تذکرہ ہے۔

سائمن کمیشن: ۱۹۲۷ کے آخر میں برطانوی پارلیمنٹ نے ملک کی آزادی کے جوش وخروش کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن بھیجا جو سائمن کمیشن کہلاتا ہے۔ اس کمیشن کے دائرہ عمل میں علاوہ مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور کونسل آف سٹیٹ کے نمائندوں اور حکومت کے بڑے افسروں سے مشورہ کرنے کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ وہ ملک کی قابل ذکر جماعت جماعتوں کے خیالات بھی دریافت کریں۔ چونکا اس میں کسی ہندوستانی ممبر کو شامل نہیں کیا گیا تھا اس لئے قائداعظم، سرعبدالرحیم اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ مگر جب حضرت امام جماعت احمدیہ (خلیفۃ المسیح الثانی) نے ہندوؤں کی چالاکی اور اپنوں کی سادگی بھانپتے ہوئے "مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت" لکھ کر یہ سمجھ آیا کہ اس سے شدید نقصان پہنچے گا تو قائداعظم، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت نے کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا ضروری سمجھا۔

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے اپنی ۵ نومبر ۱۹۲۸ کی اشاعت میں کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے والے ممبران کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

شہادت دینے والوں پر جراح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ہے۔ آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کوئی دوراز کار بات نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ آپ سر آرتھر فروم سے مشابہ ہیں۔ یعنی آپ کی آواز پر شوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں۔ (الفضل ۹ نومبر ۱۹۲۸)

گول میز کانفرنس: ۱۹۳۰ میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے لندن میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کی۔ جس میں شمولیت کی حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بھی دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس میں آپ کی شاندار خدمات کا ذکر کرتے ہوئے روزنامہ "انقلاب" نے لکھا۔ سرسیموئیل ہور وزیر ہند نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنس کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہیں حل کرنے کے لیے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سرانجام دیں۔

(انقلاب پرچہ ۱۳ جولائی ۱۹۴۱)

اخبار "شہباز" لاہور نے لکھا:

۱۹۳۰ میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلہ میں لندن میں گول میز کانفرنس کے اجلاس شروع ہوئے۔ سر محمد ظفر اللہ خان تینوں گول میز کانفرنسوں اور ہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ایوانوں کی مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے۔ ان کانفرنسوں اور کمیٹی میں آپ نے جو شاندار خدمات سر انجام دیں ان سے ہندوستان اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ سر محمد ظفر اللہ خان نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اور سیاستدان مسٹر چرچل پر زبردست جرح کی۔ (انقلاب ۴ جولائی ۱۹۴۱)

گول میز کانفرنس کے مندوبین میں سب سے زیادہ کامیاب آغا خان اور چوہدری ظفر اللہ خان ثابت ہوئے۔ (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۱۵)

اخبار "مسلم آواز" کراچی نے لکھا:

سر ظفر اللہ خان کے متعلق قائداعظم فرمایا کرتے تھے: کہ ظفر اللہ کا دماغ

خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔ان گول میز کانفرنسوں میں شرکت اور قوم اور ملک کی خدمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۳۴ میں جب میں وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں آنریبل سر فضل حسین صاحب کی جگہ خالی ہوئی تو آپ کو بلا مقابلہ ممبر منتخب کرلیا گیا۔

مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی صدارت: حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمات کا مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ پر اس قدر اثر تھا کہ مسلم لیگ کا جو اجلاس ۲۶ دسمبر ۱۹۳۱ء کو دہلی میں ہونا قرار پایا اس کی صدارت کے لیے آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی۔ چوہدری صاحب نے کرسی صدارت پر بیٹھ کر ایک فاضلانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔جس میں مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی ایسے عمدہ رنگ میں کی کے حاضرین عش عش کر اٹھے اس خطبے کو مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت ہی اہم درجہ حاصل ہے روزنامہ "انقلاب لاہور" نے خطبہ صدارت درج اخبار کرتے ہوئے لکھا کہ:

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سلاست سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات پر فرمایا۔

اخبار "الامان دہلی" ۳ دسمبر ۱۹۳۱ نے لکھا،: جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس کے خطبہ صدارت کا تعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانان ہند کی ترجمانی کی گئی۔ یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔خطبہ صدارت میں جس دلیری و بیباکی کے ساتھ حکومت کے رویے کی مذمت اور اور حقوق مسلمین کی وکالت کا حق ادا کیا گیا ہے۔وہ بھی اس اجلاس کی ایک تاریخی خصوصیت ہے

"الخلیل" دہلی یکم جنوری ۱۹۳۲ نے لکھا۔:

تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ ترجمانی سے لبریز ہے۔آپ نے اس خطبہ صدارت میں جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں۔

قرارداد پاکستان کی تائید: قائداعظم کی قیادت کا اہم ترین واقعہ قرارداد پاکستان ہے۔ جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو لاہور میں منظور ہوئی۔اس قرارداد کے بعد سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولا پیش کیا ی۔ جسے مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے مسترد کردیا ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی قطعی محال اور بالکل ناممکن دکھائی دینے لگی۔عین اس تاریک دور میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو جو ان دنوں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔کامن ویلتھ ریلیشن کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان جانا پڑا جہاں آپ نے سرکاری نمائندہ ہونے کے باوجود انگلستان کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ایسے زوردار پر شوقت وقوت الفاظ میں رکھا کہ دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا اور انگلستان کے سرآوردہ اخبارات کے علاوہ ہندوستان کے مسلم اور غیر مسلم پریس نے اس پر بکثرت تعریفی مضامین لکھے۔ چنانچہ اخبار انقلاب ۲۲ فروری ۱۹۴۵ نے سر ظفر اللہ خان کی صاف گوئی کے عنوان سے لکھا:

چوہدری سر ظفر اللہ خان نے کامن ویلتھ کانفرنس منعقدہ لندن میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان نے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کو محفوظ رکھنا نے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے۔

حیدرآباد دکن کے روزنامہ پیام ۲۲ فروری ۱۹۴۵ نے لکھا:

سر ظفر اللہ کی آواز میں ایک گرج ہے ایک دھما کہ ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اخبار "پرتاب" ۲۲ فروری ۱۹۴۵ نے لکھا:

ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر ظفر اللہ خان آج کل لندن گئے ہوئے ہیں آپ کامن ویلتھ ریلیشنس کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر ہیں۔ برطانیہ کی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کیے کرائے پر آپ کی تقریر نے نے پانی پھیر دیا۔

ملک خضر حیات کا استعفیٰ: پنجاب میں ملک خضر حیات خان پارٹی کے لیڈر ہونے کی وجہ سے پنجاب کے وزیر اعظم تھے اور اگرچہ انتخابات میں مسلم لیگ کافی نشستیں حاصل کر چکی تھی مگر انتقال اقتدار کے لئے ملک صاحب کا استعفیٰ ضروری تھا۔لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو چکے تھے مسلم لیگ نوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ پریس پر پابندیاں تھیں۔ملک صاحب جھکنے میں نہیں آرہے تھے۔ ۲ مارچ ۱۹۴۷ کو چوہدری ظفر اللہ صاحب نے قائداعظم محمد علی جناح کو تار ڈلوایا ملک صاحب استعفیٰ دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس استعفیٰ کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے انگریزی اخبار "ٹریبیون" نے ۵ مارچ ۱۹۴۷ لکھتا ہے:

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں صاحب نے یہ فیصلہ سر

محمد ظفر اللہ خانصاحب کے مشورہ اور ہدایات کے مطابق کیا ہے۔سنا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کی تازہ رایجی ٹیشن کے دوران جماعت احمدیہ کے امام نے خضر حیات کا کو لکھا کے وہ لیگ کے سامنے جھک جائیں۔ یہ خط سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ذریعے بھیجا گیا تھا جنہوں نے اپنے امام کی ہدایت کی پرزور تائید کی ملک حیات صاحب نے سر ظفر اللہ خاں کو لاہور مشورہ کے لئے بلایا جس کے بعد ملک صاحب نے وہ بیان دیا جو اخبارات میں شائع ہوا۔

باؤنڈری کمیشن میں جدوجہد: ۳۰ جون ۱۹۴۷ کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کیلئے ایک حد بندی کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا گیا۔جس کی صدارت ریڈ کلف کو سونپی گئی ۔باؤنڈری کمیشن نے 14 جولائی ۱۹۴۷ کے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ جو جماعتیں کوئی میمورنڈم پیش کرنا چاہتی ہیں۔وہ ۱۸ جولائی تک مع چار زائد نقول اور ایسے چار نقشوں کے پیش کر دیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ صوبے کی حد کس جگہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کے کیس کا تعلق ہے اس نازک ترین ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے قائداعظم کی نظر انتخاب احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پر پڑی۔جنہوں نے انتہائی مشکلات اور تیاری کے مختصر ترین وقت کے باوجود مسلم اقلیت کے حقوق کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔آنریبل چوہدری صاحب نے جس قابلیت کے ساتھ یہ کیس لڑا اس کا ذکر کرتے ہوئے جناب حمید نظامی صاحب رقم طراز ہیں۔

حد بندی کمیشن کا اجلاس ختم ہوا۔چار دن چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلّل نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا ملا مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف ہوں گے۔(روزنامہ نوائے وقت یکم اگست ۱۹۴۷)

نیز ۲۴ اگستی شاعت میں ان فقید المثال خدمات کو سراہتے ہوئے مزید لکھا۔جب قائداعظم نے چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہو تو ظفر اللہ خان نے فوراً خدمات سرانجام دینے کی حامی بھری۔اور اُسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائد اعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو۔این۔او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا ۔جس طرح آپ نے ملت کی وقالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں ۔تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو بااعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔اس شاندار لازوال کارنامے کا ذکر جسٹس منیر صاحب صاحب (جو ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کی طرف سے ممتاز رکن تھے) نے بھی عدالتی رپورٹ میں کیا ہے۔فرماتے ہیں:

عدالتی ہذا کا صدر جو اس باؤنڈری کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے گورداسپور اس پور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہیں اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات سرانجام دیں۔

مسئلہ کشمیر: ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ کو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کراچی میں وزیر خارجہ کا حلف اٹھایا۔قائداعظم نے آپ سے فرمایا کہ آپ برما کے جشنِ آزادی میں شرکت کریں۔ابھی آپ رنگون میں ہی تھے کہ پاکستان کے سفیر مقیم امریکا مسٹر حسن اصفہانی نے وزیراعظم لیاقت علی خاں کو اطلاع دی کہ بھارت نے پاکستان کو حملہ آور قرار دیتے ہوئے کشمیر کا مسئلہ سکیورٹی کونسل میں میں پیش کر دیا ہے۔اور وہاں ظفر اللہ خاں کا بحث کے لئے انتظار کیا جا رہا ہے۔اس پر وزیراعظم پاکستان نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو کہا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ ۷ جنوری کو رنگون سے واپس کراچی پہنچیں گے۔انہیں ریکارڈ فراہم کرنے کے لئے اور کیس کی تیاری کے لیے معقول مدت درکار ہو گی۔اور ابھی تک ہمیں بھارت کی شکایت کی کاپی بھی نہیں ملی۔اس لیے سکیورٹی کونسل کا اجلاس معقول مدت کے لیے ملتوی کر دیا جائے ۔ بھارتی نمائندہ سکیورٹی کونسل پر زور دیتا رہا کہ پاکستان کے چار ہزار باوردی حملہ آوروں نے بھارت کی افواج پر حملہ کر کے بھارت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا۔ ہے اس لیے اجلاس ۱۵ جنوری سے پہلے طلب کیا جائے مقصد یہ تھا کہ وزیر خارجہ پاکستان کو نہ ریکارڈ فراہم کرنے کا موقع مل سکے نہ کیس کی تیاری کا۔یوں مسئلہ کشمیر پر ان کی پہلی تقریر ہی عالمی سٹیج پر پاکستان کے لیے جگہ نسائی کا موجب

ہوا اور بھارت کا دنیا میں بول بالا ہو جائے جبکہ بھارتی وفد کے لیڈر مسٹر گوپال سوامی تھے جو سالہا سال تک کشمیر کے وزیر اعظم رہ چکے تھے اور پوری طرح تیار تھے حضرت چوہدری صاحبؓ نے جنوری ۱۹۴۸ کو واپس کراچی پہنچے تو تازہ ترین صورتحال سے انہیں آگاہ ہی ہوئی۔ فوری طور پر مطلوبہ ریکارڈ کا مہیا ہونا مشکل تھا بہرحال جو بھی رکارڈ مل سکا اس کے بک تک فراہم نہ ہو سکے۔ ریکارڈ کا اکثر حصہ بوریوں میں بند کر کے نوزائیدہ مملکت کے وزیر خارجہ ۱۲ جنوری کو سہ پہر کے قریب نیویارک پہنچے۔ اتنے بڑے کیس کی تیاری کے لیے اب بیداری اور تکان کے مارے وزیر خارجہ کے پاس صرف ۱۳ اور جنوری ۱۴ کے دو دن تھے۔ سکیورٹی کونسل کا اجلاس ۱۵ تاریخ کو شروع ہونے والا تھا۔ وزیر خارجہ نے اللہ تعالی کے حضور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ کیس کی تیاری شروع کی اور اور پھر اپنے کیس کو ایسی قابلیت اور مہارت سے پیش کیا کہ بھارت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ لندن ٹائمز رکمتر راز ہے:

سیکورٹی کونسل میں بحث نے جو رخ اختیار کیا اس سے ہندوستان کے تخیل اور فکر کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ ہندوستان اپنے کیس کو اس قدر مضبوط خیال کرتا تھا گویا وہ ہر قسم کی تردید سے بالاتر ہے۔ اور اسے یقین تھا کہ اقوام متحدہ فوری طور پر پاکستان کو سرزنش کرے گی۔ اور کشمیر کے معاملہ کو سلجھانے میں ہندوستان کو آزاد چھوڑ دے گی لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے کمال قابلیت سے پاکستان کی طرف سے اس طرح صفائی پیش کی کونسل کے اکثر ممبران پر واضح ہو گیا کیا کہ ہندوستان کی طرف سے معاملات کو مکمل صورت میں پیش نہیں کیا گیا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت اس درجہ موثر انداز میں کئی کی سکیورٹی کونسل ان کے استدلال سے محروم ہو گئی۔

(لندن ٹائمز ۱۴ر فروری ۱۹۴۱)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے کشمیر کے مسئلہ پر ہندوستانی مقدمہ کا تار و پود بکھیرتے ہوئے ساری دنیا پر واضح کر دیا کہ ہندوستان کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ اخبار پرتاب لکھتا ہے:

یو۔این۔او سے پاکستان کے خلاف فریاد کرنا ہمالیہ جیسی بڑی غلطی تھی۔ ہم وہاں گئے تھے مستغیث بن کر لوٹے وہاں سے ملزم بن کر۔

(پرتاپ ۲۳ر اگست ۱۹۵۰)

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی قوم و ملت کے لیے یہ عظیم الشان خدمات مورخ پاکستان سنہری حروف سے رقم کرے گا۔ انشاء اللہ

(رسالہ انصار اللہ مارچ ۲۰۰۲)

غلط فیصلے کا ہونا

میاں فہیم احمد

کیا آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں اکثر غلط فیصلے دوپہر دو سے چار بجے کے درمیان ہوتے ہیں ایک انسان آٹھ گھنٹوں سے زیادہ ایکٹو نہیں رہ سکتا ہمارے دماغ کو آٹھ گھنٹے بعد بیٹری کی طرح ری چارجنگ کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم اگر اسے ری چارج نہیں کرتے تو یہ غلط فیصلوں کے ذریعے ہمیں نقصان پنچا سکتا ہیں۔ صبح اٹھنے کے آٹھ گھنٹے کے بعد ہمارا دماغ آہستہ آہستہ سن ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ہم غلط فیصلے کر سکتے ہیں اور اگر ہم بہتر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں دو بجے کے بعد آدھا گھنٹہ قیلولہ کرنا چاہیے یہ حدیث مقدس بھی ہے اور نیند کے یہ 30 منٹ ہمارے دماغ کی بیٹریاں چارج کر دیں گی اور ہم اچھے فیصلے کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور ہم سارا دن فریش بھی رہیں گے اور ہم پہلے سے بھی زیادہ کام کر سکتے ہیں پوری دنیا میں فجر کے وقت کو تخلیقی لحاظ سے شان دار سمجھا جاتا ہے اس کی دو وجوہات ہیں ہم بھرپور نیند لے چکے ہوتے ہیں اور ہمارے دماغ کی تمام بیٹریاں چارج ہو چکی ہوتی ہیں اور دوسرا فجر کے وقت فضا میں آکسیجن کی مقدار زیادہ ہوتی ہے یہ ذہن کی مرغن غذا ہے لہذا اچھی صحت اور اچھے فیصلے کرنے کے لیے دوپہر کو ضرور تھوڑا سی نیند لے لیا کریں شکریہ۔ سب کو اور مجھے اور میرے اہل و عیال کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔

گناہ اور ہمارے بہانے

مبشر شہزاد گلاسگو

رشوت: یہ تو تحفہ ہے۔
موسیقی: یہ تو روح کی غذا ہے۔
بدنظری: ایک بار دیکھنا حلال ہے۔
غیبت: میں اس کے منہ پہ بھی یہ بات کہہ سکتا ہوں۔
سود کھانا: ساری دنیا کھاتی ہے۔
بیہودہ ناول پڑھنا: ہم انہیں کچھ سیکھنے کے لئے پڑھتے ہیں۔
تہمت: یہ تو پوری دنیا کہہ رہی ہے۔
حرام محفل: بس ایک رات کی توبات ہے۔
بے پردگی: پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔
ترک نماز: فلاں نمازی ہزار گناہ بھی کرتا ہے۔
شراب نوشی: اللہ غفور الرحیم ہے۔
شادیوں میں بے حیائی۔ یہ فاتحہ یا جنازہ تھوڑی ہے۔
اسراف: لوگ کیا کہیں گے۔
عیاشی: دو دن کی زندگی ہے۔
نماز باجماعت نہ پڑھنا: ٹائم نہیں ملتا۔

ایسے بہانے سوچنے سے پہلے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قیامت کے دن ہماری زبان، ہمارے ہاتھ اور ہمارے پاؤں ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے...

کیا مرتد ہونا ممکن ہے؟

حاشر ابن ارشاد

ہم عموماً بلاسفیمی کا ترجمہ توہین کرتے ہیں تاہم یہ ترجمہ اس وسیع المعانی ترکیب کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ بلاسفیمی مذہب کی نگاہ میں جرم اور گناہ کے توافق کی اعلیٰ ترین مثال ہے اس لیے سامی مذاہب کی حد تک اس کی سزا بھی شدید ترین ہے۔ آج کے دن گرچہ عیسائیت اور یہودیت بلاسفیمی کی سزا کو تج چکے ہیں لیکن کچھ مسلمان ممالک میں اب بھی یہ ایک حد اور تعزیر کے طور پر رائج ہے۔ رہے ہندوازم، بدھ ازم اور سکھ ازم جیسے بڑے مذاہب یا فلسفوں کے پیروکار، تو وہ بلاسفیمی کو کبھی بھی قانونی دائرے میں نہیں لائے۔

اکثر مسلمان ممالک میں بلاسفیمی کے حوالے سے کوئی نہ کوئی قانون سازی موجود ہے تاہم پچاس اسلامی ممالک میں صرف چند ملک ایسے ہیں جہاں بلاسفیمی کی سزا موت ہے۔ ان ممالک میں شیعہ فکر کا مرکز ایران اور سنی وہابی فکر کا مرکز سعودی عرب نمایاں ہیں۔ یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ یہ دونوں ممالک مذہب کی بالکل جداگانہ تشریح کرتے ہیں لیکن ایک مذہبی ریاست ہونے کے ناتے بلاسفیمی کی شدید ترین سزا پر متفق نظر آتے ہیں۔ اس فہرست میں اور نمایاں ممالک افغانستان، قطر، متحدہ عرب امارات، موریطانیہ، یمن اور پاکستان شامل ہیں۔

بلاسفیمی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں بلاسفیمی کو خدا کے خلاف جرم قرار دیا گیا ہے اور صدیوں اس کا ارتکاب کرنے والے موت کی سزا کے مستحق ٹھہرے ہیں تاہم وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس کی تعریف بدلتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ سائنس دانوں کی تحقیق اور فلسفیوں کے افکار کو بھی بلاسفیمی کے زمرے میں ڈالا گیا۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے بلاسفیمی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور لاکھوں لوگ صدیوں پر محیط ایک کشمکش میں اس کا شکار بنے تاہم اجتماعی معاشرتی شعور کے ارتقاء کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بلاسفیمی کو عیسائی اور یہودی معاشروں میں جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تاہم اب بھی ان مذاہب کے سخت گیر شارح اس کو ایک گناہ کبیرہ گردانتے ہیں۔

اسلامی طرز فکر میں اب بھی بلاسفیمی کو ایک گناہ کے ساتھ ساتھ جرم بھی سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کی قانونی تشریحات میں بہت سے داخلی تضادات موجود ہیں۔ جن ممالک میں بلاسفیمی کے لیے موت کی سزا مقرر ہے وہاں اس کا ناتہ شارحین ارتداد سے جوڑتے ہیں اور اس پر حد جاری کرتے ہیں۔ حدود کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ اس کی نص براہ راست قرآن سے برآمد کی جاتی ہے لیکن اس معاملے میں جمہور علماء کا یہ اتفاق فراموش کر دیا جاتا ہے کیونکہ قرآن میں بلاسفیمی کسی بھی صورت جرم کے طور پر مذکور نہیں۔ اسی طرح قرآن میں ارتداد کی بھی کسی دنیاوی سزا کا ذکر نہیں۔ کن لوگوں کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس پر قرآن میں سیر حاصل مواد ہے لیکن اس فہرست میں مرتد یا گستاخ کسی بھی طرح شامل نہیں ہیں۔ اس کے بعد سیرت کے کچھ واقعات، کچھ روایات اور احادیث سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ رسول اللہ کے دور میں توہین اور ارتداد کی سزا موت دی گئی تھی لیکن یہ بات فراموش کر دی جاتی ہے کہ یہ نتائج قرآن کی تعلیم سے براہ راست متصادم ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت 256 میں یہ واضح ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر ممکن نہیں ہے۔ قرآن کے کچھ مفسرین اس مشکل سے نکلنے کے لیے بعض اوقات دور کی کوڑی لانے سے پرہیز نہیں کرتے جیسا کہ مودودی صاحب سورۃ التوبہ کی بارہویں آیت سے یہ استدلال لاتے ہیں کہ مرتد مباح الدم ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ اس آیت کو جس طرح مرضی پڑھ لیجیے، اس سے کسی بھی طرح یہ مطلب نکالنا ممکن نہیں ہے۔ روایات کو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی اسی طرح کی تشریح سے کام چلایا گیا ہے اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ابن خطل کا واقعہ اس ضمن میں بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ توہین کے جرم میں اسے اس حال میں قتل کر دیا گیا کہ وہ محفوظ رہنے کی خاطر کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا اور وہ بھی ایسے دن جب مکہ میں فتح کے بعد ہر ایک کے لیے عام معافی کا اعلان تھا۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ توہین کا مرتکب ہر حال میں موت کا سزاوار ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے یہ واقعہ براہ راست کسی ماخذ سے پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ابن خطل کی کہانی تھی کیا۔ عبداللہ ابن خطل کو ٹیکس وصولی مہم پر ایک غلام کے ہمراہ مدینہ سے روانہ کیا گیا تھا۔ راستے میں انہوں نے غلام کو قتل کر دیا اور رقم کے ساتھ فرار ہو کر مکہ پہنچ گئے۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ ان کے خلاف غبن اور قتل کا مقدمہ اسلامی اصول کے مطابق تو صرف موت تھا جس کا اعلان

مدنی ریاست میں کر دیا گیا تھا تو ابن خطل مرتد ہو کر مکہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ فتح مکہ کے وقت وہ مکہ میں موجود واحد شخص تھے جو باقاعدہ ایک اسلامی عدالت سے سزا یافتہ تھے اور اس سزا کا اطلاق ان کے پکڑے جانے پر کر دیا گیا۔ باقی اہل مکہ جنگی حریف تھے اور جنگ میں کیے گئے قتل خواہ وہ ہندہ اور وحشی کے ہاتھوں حضرت حمزہ کی شہادت ہی کیوں نہ ہو، جنگ کا ناگزیر لازمہ سمجھے گئے اور اس پر کسی سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اسی طرح وہ لوگ جو برسوں سے اسلام اور نبوت کا ٹھٹھا اڑاتے تھے، ان پر بھی کسی جرم میں مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ باقی روایات کا بھی بغور جائزہ لیا جائے تو وہ اس کسوٹی پر کھری نہیں اتریں گی جس سے موت کی سزا کا تعین کرنا مقصود ہے۔ اب یہ بات بتانا ہمارے خطیب کیوں مناسب نہیں سمجھتے، یہ تو وہی بہتر بتا سکتے ہیں

اس بات پر یہاں سانس لیتے ہیں اور پھر تیسرے بنیادی ماخذ کا جائزہ لے لیتے ہیں یعنی کہ اصول فقہ۔ پاکستان میں حنفی فقہ قانون سازی کی بنیاد ہے۔ احناف توہین کو ارتداد کے زمرے میں گنتے ہیں اور رائے یہ ہے کہ جرم کا مرتکب اگر مسلمان ہو تو اسے موت کی سزا دی جا سکتی ہے لیکن ساتھ ساتھ مجرم کو تین دن کی مہلت بھی دی جائے گی جس دوران وہ توبہ کر سکتا ہے اور توبہ پر سزا ساقط ہو جائے گی۔ پوچھیے کہ ہمارے توہین کے قانون میں یہ گنجائش کہاں گئی؟ اس سے بھی دل چسپ امر یہ ہے کہ احناف کے نزدیک غیر مسلم پر یہ حد جاری نہیں ہو سکتی۔ کیا ہمارا قانون یہ تفریق کرتا ہے؟

مالکی اور حنبلی فقہ میں ارتداد پر توبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلم مجرم اگر اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا موقوف ہو جاتی ہے۔ ویسے ہمارے یہاں مالکی فقہ پر کیا کوئی قانون بنایا گیا ہے؟

شافعی توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کے قائل ہیں یعنی کہ مجرم کی توبہ کی صورت میں سزا معاف کر دی جائے گی۔

فقہہ جعفریہ میں بھی موت کی سزا ہے لیکن مسلمان کے لیے، غیر مسلم اسلام قبول کر کے سزا سے بچ سکتا ہے۔

تمام مکتبہ ہائے فکر اس حوالے سے تین باتوں پر متفق ہیں

1۔ مسلم اور غیر مسلم کی سزا یکساں نہیں ہوگی کیونکہ توہین کا بنیادی مقدمہ ارتداد سے جڑے گا اور غیر مسلم مرتد نہیں ہو سکتا۔

2۔ توہین اپنی نوع میں اس وقت تک جرم نہیں ہے جب تک اسے ارتداد کے درجے میں ثابت نہ کر دیا جائے۔

3۔ کسی بھی صورت میں یہ فیصلہ کہ جرم ثابت ہوا یا نہیں، صرف عدالت کا دائرہ کار ہے اور ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا یا تعزیر نافذ کرنا ممکن نہیں ہے۔

4۔ مباح الدم، یعنی جس کا قتل جائز ہو، صرف ریاست اور عدالت سے مشروط ہے۔ کسی ایک شخص یا گروہ کے پاس کسی کو مباح الدم سمجھ کر قتل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس معاملے میں یہ توجیہ کہ عدالت یا ریاست یہ سزا نہیں دے رہی، قتل کو جواز نہیں بخش سکتی

ان تمام موشگافیوں میں وہ نکتہ جو ہمارے اکثر احباب نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہے ارتداد کا مقدمہ۔ چلیے ہم یہ بحث نہیں کرتے کہ ارتداد قرآن کی رو سے جرم نہیں ہے اور بر بنائے بحث اس کا جرم ہونا تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ارتداد کی تعریف متعین کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ہم نے ایک سخت گیر موقف رکھنے والے ادارے جامعہ بنوریہ کے دارالافتا سے جاری کردہ تعریف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ مرتد کون ہے؟ اس سوال کا جواب علامہ محمد یوسف یہ دیتے ہیں۔

"مرتد وہ شخص ہے کہ اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جائے"

ستانوے فی صد آبادی والے مسلم ملک مین کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کیا ہے؟ سوائے ایسے بالغ مردوں کے جو کسی دوسرے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے، کوئی بھی شخص اس تعریف پر پورا نہیں اترے گا۔ ہمارا اسلام پیدائش کے اتفاق سے زیادہ کچھ نہیں اس لیے اس ملک میں یوسف یوحنا جیسے پندرہ بیس لوگوں کو چھوڑ کر کسی کا ارتداد ممکن ہی نہیں۔ ایک قمیض خریدنے جائیں تو۔ لوگ پندرہ قمیضوں کو پرکھ کر ایک کا انتخاب کرتے ہیں، اس طرح مذہب کا مرضی اور رضامندی سے انتخاب بھی اس وقت ممکن ہے جب اور کچھ نہیں تو دس بارہ بنیادی مذاہب کا تقابل تو کسی نے کیا ہو۔ یہ کہنا کہ ہم مرضی اور رضامندی سے مسلمان ہوئے ہیں، اتنی ہی حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ ہم اپنی مرضی اور رضامندی سے پیدا ہوئے ہیں۔

ارتداد کا کوئی مقدمہ کسی ایسے مسلمان پر قائم کرنا ممکن ہی نہیں جو "پیدائشی مسلمان" ہو اس لیے یہ ساری فقہی اور قانونی عمارت جو بڑی محنت سے اس

ملک پر قابض آمروں نے کھڑی کی تھی بغیر کسی بنیاد کے ہے اور بغیر بنیاد کے عمارت مکینوں کے لیے تحفظ کا نہیں، موت کا پیغام ہوتی ہے۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ پاکستان میں ایک اور رجحان جواب فروغ پا رہا ہے، اس میں سکہ بند مذہبی معذرت خواہ اکثر بہت خوشنما لبادے میں لپیٹ کر توہین کے نام پر کیے گئے جرائم کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

یہ معذرت خواہ اس بات سے تو مکر نہیں پاتے کہ فقہی لحاظ سے بھی توہین کے ملزم سے پوچھے بغیر اس جرم کا فیصلہ ممکن نہیں اور وہ اگر جرم سے انکاری ہو تو خواہ شواہد کتنے ہی مضبوط ہوں اسے مجرم قرار دینا ممکن نہیں۔ اور اگر کسی طرح ارتداد ثابت ہو بھی جائے تو عدالت توبہ کے لیے تین دن کی مہلت دینے کی پابند ہے۔ اور مجرم صرف اس صورت ٹھہرائے گی جب تین دن بعد بھی ملزم توہین پر مصر رہے۔ رہے ذمی تو ان پر یہ حد جاری کرنا ممکن ہی نہیں۔

اب اس دلیل کے بعد یہ ظاہر ہے کہ ملزم یا تو مجرم قرار پائے گا یا پھر معصوم۔ اور ریاست کے لیے محض ایک مجرم مباح الدم ہوگا۔ اب اس کے بعد مسئلہ رہ گیا ان لوگوں کا جو اپنے ہاتھ میں قانون لیں اور کسی "ملزم" کو قتل کر دیں۔ یہاں چونکہ ہمدردی اور معذرت خواہی آڑے آتی ہے اس لیے تقی عثمانی صاحب جیسے حضرات ایک نیا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ یہ راستہ اپنی ہی تراشی گئی دلیل کی کھائی میں گر کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس دلیل کی رو سے اگر یہ امکان ہو کہ ایک شخص کسی کو گستاخ سمجھ کر قتل کر دے تو وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کی گستاخ ارتداد کے باعث مباح الدم ہے، لہذا قاتل کو قصاصاً سزائے موت نہیں دی جانی چاہیے۔

اب کوئی پوچھے کہ اے شیخ الاسلام، پہلے آپ کہتے ہیں کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا ممکن نہیں اور حد جاری کرنے کے بعد بھی توبہ کا موقع دیے بغیر اسے قتل کرنا ممکن نہیں تو مارے جانے والے کو کوئی مرتد کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ نہ وہ قبر سے اٹھ کو صفائی دے سکتا ہے اور نہ ہی اب توبہ کرنا اس کے لیے ممکن ہے۔ ہر حال میں قاتل نے ایک معصوم کو قتل کیا ہے اور اس کی کوئی صفائی دینا ممکن نہیں ہے۔ لیکن چھوڑیے جناب، اس ملک میں جبہ اور دستار والوں سے سوال ممکن نہیں ہے۔

بحث کو یہاں سمیٹتے ہیں۔ توہین اور ارتداد کے نام پر قانون سازی کم از کم اسلام کی رو سے ممکن نہیں ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اسلام کا کندھا استعمال کر کے شدت پسندی کو فروغ دینے والی یہ بندوق چلائی جاتی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فقہی لحاظ سے یہ قانون بن گیا ہے تو بھی اس کے تحت مقدمہ کبھی بھی براہ راست توہین کا نہیں ہوگا بلکہ براستہ ارتداد ہوگا اور کسی "پیدائشی مسلمان" کا ارتداد ایک ناممکن امر ہے۔ رہے ہمارے خطیب اور علماء دین تو ان کی خلعت احمریں بے گناہوں کے خون سے سرخ ہے اور وہ اسے وجہ افتخار سمجھتے ہیں اس لیے ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ملک میں اب ان قوانین پر بات کرنا بھی توہین گنا جاتا ہے تو معنی خیز مکالمہ کیسے ہو۔ نوجوانوں کو عشق کے نام پر سر اتارنا سکھایا جاتا ہے۔ قاتل محترم ٹھہرتے ہیں اور مقتولین کے خاندان بھی در بدر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب روز بروز بدتر ہوا چلا جاتا ہے۔

جدلیاتی مادیت یہ بتاتی ہے کہ فرد کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ معاشرتی ڈھانچہ درست نہ کر دیا جائے اور معاشرتی اصلاح کے لیے جو سیاسی ارادیت درکار ہے وہ موہوم نہیں بلکہ معدوم ہے۔

تو گھوم پھر کر نتیجہ وہی نکلا جو فیض صاحب نے نکالا تھا کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہے گا۔ انسان ایک دن سب فنا ہو جائیں گے اور آخر میں، بس نام رہے گا اللہ کا۔ (بشکریہ کالم ہم سب)

شازیہ عالم شازیہ کراچی پاکستان

فقط اک پل نہیں یہ عمر بھر دشوار ہوتا ہے
کسی کے غم میں جینا کس قدر دشوار ہوتا ہے
کسی کا ہمسفر ہونا، کسی کا معتبر ہونا
بہت آساں سمجھتے ہو مگر دشوار ہوتا ہے
کسی کے قرب کا موسم، کسی کے وصل کا عالم
ہو جائے اگرچہ مختصر، دشوار ہوتا ہے
اگر پڑ جائے عادت قربتوں میں ایک دوجے کی
تو پھر ہونا کسی کا در بدر دشوار ہوتا ہے
کسی کا ہجر سہنا اس طرح دشوار ہے شازی
کہ چلنا جس طرح سے آگ پر دشوار ہوتا ہے

گیارہ اگست کی تقریر کا آسیب اور مظلوم اور یا مقبول جان صاحب

ابونائل۔مورخہ 10 نومبر 2021 "بشکریہ ہم سب"

اگر قائداعظم محمد علی جناح 11 اگست 1947 کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں اپنی تاریخی تقریر نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ کم از کم مکرم اور یا مقبول جان صاحب کی صحت پر وہ منفی اثرات نہ مرتب ہوتے جواب ہو رہے ہیں۔ ہر کچھ عرصہ بعد وہ کالم لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جن میں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قائداعظم ہرگز کوئی سیکولر شخص نہیں تھے اور نہ ہی وہ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ یہ سب پاکستان کے سیکولر طبقہ کی سازش ہے اور یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے قائداعظم کی جعلی تقریر گھڑنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اور یا صاحب ان کالموں میں دو نکات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قائداعظم نے 11 اگست 1947 کو کوئی ایسی تقریر کی ہی نہیں تھی جس میں تمام مذاہب کے لوگوں کے لئے برابر کے حقوق کا ذکر ہو۔ اور دوسرا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ جسٹس منیر نے 1953 کے فسادات پنجاب پر بننے والی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں قائداعظم کے الفاظ کو بدل کر انہیں سیکولر لیڈر بنا دیا۔ ورنہ قائداعظم دل و جان سے پاکستان کو ایک مذہبی ریاست بنانا چاہتے تھے۔

پہلے اس سلسلہ میں انہوں نے 30 دسمبر 2013 کو روزنامہ دنیا میں ایک کالم تحریر کیا اور انہیں دو نکات کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت 11 اگست 1947 کی تقریر والے پہلو پر بہت سے محققین نے جواب دیا تھا۔ حیرت ہے کہ مکرم اور یا مقبول جان صاحب نے یہ دلیل تو پیش کی کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں یہ تقریر شائع نہیں ہوئی تھی اور اس بنیاد پر وہ اس تقریر کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ لیکن اس تقریر کو ڈھونڈنے کے لئے اخبارات کی پرانی فائلوں کی چھان پھٹک کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دوسرے ممالک کی طرح پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ریکارڈ بھی شروع سے لے کر اب تک باقاعدہ شائع ہوتا آیا ہے۔ اور اب یہ ریکارڈ قومی اسمبلی کی سائٹ پر میسر ہے۔

میری مکرم اور یا مقبول جان صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات سے گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کی سائٹ پر جائیں۔ اس کی اوپر والی پٹی پر legislative Business پر کلک کر کے NA Debates پر کلک کریں اور 11 اگست 1947 کی تاریخ کا انتخاب فرمائیں۔ اس روز کی ساری کارروائی قائداعظم کی تقریر سمیت آپ کے سامنے آ جائے گی۔ اس تقریر کو تلاش کرنے کے لئے کسی شرلاک ہومز کی کوئی ضرورت نہیں، اس طریقہ پر آپ دو تین منٹوں میں سچ تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہرحال یہ تو 11 اگست کی تقریر کا قصہ تھا۔ قائداعظم ایک معروف شخصیت تھے۔ بالفرض آپ نے 11 اگست والی تقریر کبھی نہ کی ہوتی۔ اور نہ ہی جسٹس منیر یا ان کی لکھی ہوئی رپورٹ کا کوئی وجود ہوتا تو بھی قائداعظم کے نظریات اتنے گمنام نظریات نہیں تھے کہ وہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ رہتے۔

حال ہی میں اور یا مقبول جان صاحب نے اس قسم کا ایک اور کالم تحریر فرمایا ہے۔ اس کا عنوان ہے "ایک سیکولر سابقہ چیف جسٹس آف پاکستان"۔ اس تحریر میں انہوں نے ایک بار پھر یہ الزام لگایا ہے کہ جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ میں قائداعظم کے ایک انٹرویو کے الفاظ کو تبدیل کر کے شامل کیا ہے تا کہ قائداعظم کو سیکولر ثابت کیا جا سکے۔ اس کالم میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ انکوائری کمیشن تحریک ختم نبوت کے دوران ہونے والے ہنگاموں کی تحقیق کے لئے بنایا گیا تھا، لیکن جسٹس منیر نے شرارتاً، اسلام اور نظریہ پاکستان کے تصورات کو بھی زیر بحث لانا شروع کر دیا۔ وہ اس بحث سے اپنے مذموم مقاصد کا حصول چاہتا تھا۔ نظریہ پاکستان اور تخلیق پاکستان کو اسلام سے علیحدہ ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ جھوٹ اور دھوکے بازی سے بانی پاکستان قائداعظمؒ کو بھی سیکولر ثابت کیا جائے۔ ایسا مواد قائداعظمؒ کے افکار و خیالات اور تقاریر میں تو کہیں ملتا نہیں تھا۔

اس لئے جسٹس محمد منیر اور اس کے ساتھی جسٹس رستم کیانی نے قائداعظمؒ کے "رائٹرز" کو دیے گئے انٹرویو میں رد و بدل کر کے اپنا مقصد پورا کیا۔ اس جھوٹ پر آج تک پردہ ہی پڑا رہتا، اگر مشہور ناول نگار سید فضل احمد کریم فضلی کی صاحبزادی سلینہ کریم اس پر تحقیق نہ کرتی۔ نوٹنگھم، برطانیہ کی رہنے والی اس عظیم خاتون نے رائٹرز کے دفاتر میں جا کر اصل ریکارڈ کو تلاش کیا اور اس بددیانتی کا پول کھولا۔ وہ کہتی ہے کہ "جسٹس منیر نے جب قائداعظمؒ کا فقرہ تبدیل کیا تو جیسے کوئی چور، اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے ویسے ہی اس سے انگریزی کی ایک ایسی غلطی

ہوگئی جس سے مجھے شک گزرا کہ یہاں ضرور بددیانتی ہوئی ہے۔

سلینہ کریم نے جب اصل فقروں اور جسٹس منیر کے بددیانتی والے فقروں کا موازنہ کیا تو جھوٹ سامنے آ گیا۔ قائداعظمؒ نے کہا تھا:

"The Government of Pakistan can only be a Popular Representative Democratic form of Government"

" پاکستان کی حکومت ایک مقبول، نمائندہ جمہوری حکومت ہو گی"۔ اب جسٹس منیر کا بدلا ہوا بددیانت فقرہ ملاحظہ کریں۔

" The new State would be a Modern Democratic state with Sovereignty Resting in People"

"نئی ریاست ایک جدید، جمہوری ریاست ہوگی جس کا اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا"۔ قائداعظمؒ کے منہ میں ان الفاظ کو ڈالنا "اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہو گا" دراصل قائداعظمؒ کی زبان سے قرارداد مقاصد کے اس تصور کی تکذیب مقصود تھی، جس میں لکھا گیا تھا کہ "اقتدار اعلیٰ اللہ سبحان وتعالیٰ کے پاس ہے اور حکومت اس کی امین ہے۔"

انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے اور یا مقبول جان صاحب کے اصل الفاظ درج کر دیئے ہیں۔ اب اس بارے میں حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ اور یا مقبول جان صاحب نے 2013 کے آخر میں جو کالم تحریر فرمایا تھا اس میں بھی یہی الزام لگایا تھا کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جسٹس کیانی اور جسٹس منیر نے قائداعظم کے الفاظ میں تحریف کر کے غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جسٹس منیر نے قائداعظم کے انٹرویو کے پیرے کے پیرے تبدیل کر دیئے تھے۔

عرض ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں اس انٹرویو کا ذکر انگریزی کی رپورٹ کے صفحہ 300 پر اور اردو کی رپورٹ کے صفحہ 215 پر ہے۔ یہاں پر اس انٹرویو کا ذکر صرف پانچ سطروں تک محدود ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس انٹرویو کے پیرے کے پیرے تبدیل کر دیے گئے ہوں۔ اور یا صاحب مبالغہ کے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ یہ تحریر کا اصول ہے کہ اگر کسی کا بیان قوسین میں درج کیا جائے تو اس کے معین الفاظ درج کرنے ضروری ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کا بیان قوسین یا Inverted Commas کے بغیر درج کیا جائے تو اس کا خلاصہ بیان کرنا یا اسے معنوی طور پر درج کرنا کافی ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں اس انٹرویو میں قائداعظم کے الفاظ قوسین میں درج نہیں کیے گئے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ جج صاحبان معین الفاظ درج کرتے۔

اور یا صاحب نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ قائداعظم نے یہ نہیں کہا تھا کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا اور جج صاحبان نے یہ الفاظ قائد اعظم کے منہ میں ڈالے ہیں تا کہ اسلامی نظریات اور قرارداد مقاصد کی تکذیب کی جا سکے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ قائداعظم کا یہ انٹرویو نیٹ پر موجود ہے۔ اور یا صاحب نے اپنے کالم میں قائداعظم کا مکمل بیان درج نہیں کیا۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس انٹرویو میں قائد اعظم نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہوگی۔ قائداعظم کے اصل الفاظ یہ تھے:

" Government of Pakistan can only be a popular representative and democratic form of Government. Its Parliament and Cabinet responsible to the Parliament will both be finally responsible to the electorate and the people in general without any distinction of caste, creed or sect, which will the final deciding factor with regard to the policy and programme of the Government that may be adopted from time to time"

ترجمہ: پاکستان کی حکومت ایک مقبول، نمائندہ اور جمہوری حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی پارلیمنٹ اور کابینہ جو پارلیمنٹ کو جواب دہ ہوگی، اور دونوں آخر کار نسل، عقیدہ اور فرقے کی تفریق کے بغیر عوام کو جوابدہ ہوں گے۔ اور یہی آخری فیصلہ کن عنصر ہوگا جو فیصلہ کرے گا کہ مختلف اوقات میں گورنمنٹ کی پالیسیاں اور پروگرام کیا ہوں گے؟

میری انگریزی کمزور ہے۔ فاضل پڑھنے والے خود ہی پڑھ کر فیصلہ کر لیں کہ کیا اس انٹرویو میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ پاکستان میں ہر پالیسی کا آخری فیصلہ عوام کی رائے کرے گی؟ اور کیا ان الفاظ یہ مطلب نہیں نکلتا کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس انٹرویو کا کون سا حصہ اور یا مقبول جان صاحب کے نظریات کی تائید کر رہا ہے۔ اس انٹرویو میں تو ہو بہو وہی نظریات بیان کیے گئے ہیں جو 11 اگست کی تقریر میں بیان کیے گئے تھے۔

خط-عبدالحمید حمیدی (کینیڈا)

چاند کی کرنیں بچھی جاتی تھیں دھیرے دھیرے
دل میں ارمان جگا جاتی تھیں ہولے ہولے
اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے چاندی کا بدن
جھیل میں ڈولتا، ہچکولتا اُجلا تن من
بارشیں گیت سنا جاتی تھیں کومل کومل
تھی گھٹائیں بھی چرا لاتیں کسی کا کاجل
رنگ جب قوس قزح کے یوں بکھر جاتے تھے
دل میں رنگوں سے کوئی رنگ ملا جاتے تھے
بہتے جھرنے تھے سناتے ہوئے انجان سے گیت
ایسے جھرنوں کی زباں سمجھے کسی میت کے میت
قافلے خوشبو کے رنگوں کی وہ باراتیں بھی
غنچے مہکے ہوئے کلیوں کی وہ سوغاتیں بھی
گد گداجاتی دلوں کو تھی وہ کوئل کی صدا
دل شکستہ پہ کٹے جاتی تھی کچھ چوٹ ذرا
بوڑھے برگد کے تلے کھیلا کئے شام و سحر
یاد کرتا ہے وہ گزرا جو رفاقت کا سفر
ہے سبھی کچھ وہاں موجود مگر تو ہی نہیں
زندگی نام کو ہے زندہ وہاں کوئی نہیں
چاہنے والے کیوں اُلفت کی ڈگر بھول گئے
عہد و پیمان نبھانے کا ہنر بھول گئے
چاند بے نور ہے کرنوں پہ اداسی چھائی
پیراہن تار ہوا چاندنی بیمار ہوئی
سونی گلیوں میں سرِ شام ڈھلکتے سائے
سر پٹختی ہے کواڑوں سے ہوا بین کرے
دِن گزرتا ہے کہاں شام کہاں ہوتی ہے
اِک دیا جلتا ہے جب رات جواں ہوتی ہے

Concept 2Print
DIGITAL LITHO
A Complete Design & Print Service
CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH
• Business Cards • Letterheads • Compliment Slips
• Folders • NCR Pads • Brochures
• Booklets • Calendars • Posters
• Books • Flyers • Pull up Banners
• Wedding Cards • Greeting Cards • Invitation Cards
t:0203 603 7582 e:info@concept2print.co
e:info@concept2print.co.uk
106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT
WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES
Hardware • Application • Technology
HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.
• Laptop Repairs
• Computer Repairs
• Virus / Malware Removal
• Data Recovery
• System Optimization
• Home / Office Networking
• Server Installation
• Infrastructure & Networking
• Web & Application Development
• Sales & Purchase
• CCTV Installation & Maintenance
T: 0203 524 7530
www.hatservices.com
106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

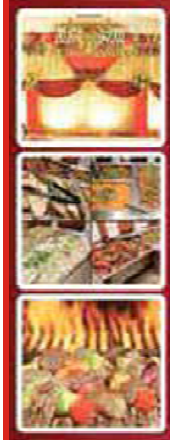

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday
Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

Looking for insurance?

For free advice call
Yasir Muhammad at **0203 468 2789**

Home/ Property
Taxi Insurance
Car/ Van
Life

Business Fleet
Shop Insurance
Commercial Van
Public Liability

www.londoninsure.co.uk
info@londoninsure.co.uk

LONDON INSURE

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
☎ +44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
☎ +92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)